

٤٤٤ھ / ١٠٥٢ء - وَهُوَ تَلَقَّى عَنْ

- ٢٨ الشيخ القارى ابو الحسن طاهر بن غلبون - وَهُوَ تَلَقَّى عَنْ
- ٢٩ الشيخ القارى ابو الحسن على بن محمد الهاشمى الاعمى - وَهُوَ تَلَقَّى عَنْ
- ٣٠ الشيخ القارى ابو العباس احمد بن سهل اشنانى - وَهُوَ تَلَقَّى عَنْ
- ٣١ الشيخ القارى على بن محمد عبدالله بن صباح - وَهُوَ تَلَقَّى عَنْ
- ٣٢ الشيخ القارى سيد الطائفة ابى عمرو حفص بن سليمان كوفى ، المتوفى ١٨٠ھ / ٧٧٢ء - وَهُوَ تَلَقَّى عَنْ
- ٣٣ الشيخ القارى الامام ابو بكر عاصم بن ابى النجود كوفى ، المتوفى ١٢٧ھ / ٤٧٧ء - وَهُوَ تَلَقَّى عَنْ
- ٣٤ الشيخ القارى ابو مريم زرّ بن حبيش ، والشيخ القارى ابو عبدالرحمن عبدالله بن حبيب سلمى ، والشيخ القارى سعد بن الياس الشيبانى - وَهُم تَلَقَّوْا عَنْ
- ٣٥ سيدنا عثمان غنى ، سيدنا على ، سيدنا عبد الله بن مسعود ، سيدنا أبى بن كعب ، سيدنا زيد بن ثابت - وَهُوَ تَلَقَّى عَنْ
- ٣٦ عن محمد بن عبد الله رسول الله ﷺ ، المولود ٩ / ربيع الاول عام الفيل ٥٧١ء / ٢٠ / نيسان (ابريل) يكمل جيثه بكرمى يوم الاثنين صباحاً قبل طلوع الشمس ، المتوفى ١٢ / ربيع الاول ١١ھ / ٢٥ / مئى ٦٣٢ء - وَهُوَ تَلَقَّى عَنْ
- ٣٧ عن ابو الفتوح جبريل امين روح الامين عليه السلام - وَهُوَ تَلَقَّى عَنْ
- ٣٨ عن الحق وحده ، لاضدله ولا ندله ، لا مثل له ولا مثيل له ، لا شريك له ولا نظير له ، لا وزير له ، ولا مشير له -

ماهو القرآن الكريم

اختلف العلماء الكرام والائمة العظام فى تعريف القرآن الكريم ، فقال امام الائمة ، سراج الامة أبو حنيفة رحمته الله المتوفى ١٥٠ھ / ٧٦٧ء "أَنَّ الْقُرْآنَ فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوبٌ وَفِي الْقُلُوبِ مَحْفُوظٌ وَ عَلَى اللِّسَنَةِ مَقْرُوءٌ ، وَ عَلَى الرُّسُولِ ﷺ مَنْزِلٌ وَ تَلْفِظُنَا بِهِ وَ كِتَابَتُنَا وَقَرَأَتْهُ تَنَالَهُ مَخْلُوقُهُ وَالْقُرْآنُ غَيْرُ مَخْلُوقٍ

وقيل "القرآن هو ما نُقِلَ إلينا بين دفتي المصاحف تواتراً" وقال ابن الحاجب رحمته الله: "الكتاب هو الكلام المنزل للاعجاز بسورة منه" وقيل "القرآن هو المنزل على الرسول ﷺ ، المكتوب في المصاحف ، المنقول عنه نقلاً متواتراً بلا شبهة" وعند أهل الحق "القرآن هو العلم الدنى فى الاجمالى الجامع للحقائق كلها-

فضيلة السند المتصل

لا شك في أنَّ السند المتصل للقرآن المجيد والفرقان الحميد والأحاديث النبوية مختص بالأمة المحمدية فلذا قال الامام محمد بن سيرين المتوفى ١١٠ هـ / ٧٢٨ء "ان هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم" رواه المسلم، وقال الامام سعد بن ابراهيم "لا يحدث عن رسول الله ﷺ إلا الثقات" وقال المحدث عبد الله بن المبارك المتوفى ١٨١ هـ / ٧٩٩ء "الاسناد من الدين، لولا الاسناد لقال من شاء ما شاء" كما في العجالة النافعة، وقال الامام ابو على جبائي المتوفى ٢٩٢ هـ / ٩٠٥ء، "خصَّ الله هذه الامة بثلاثة اشياء لم يعطها من قبلها، الاسناد، والانساب، والاعراب۔"

١ تلامذہ قاری عبدالرحمن کی ﷺ

مولانا قاری عبدالرحمن کی بن بشیر خان ﷺ مولود ١٢٨٠ھ / ٢٨٦٣ء، متوفی ٢ / رجب المرجب ١٣٣٩ھ / ٨ جنوری ١٩٢٥ء بمقام لکھنؤ قاری ابراہیم سعد بن علی شافعی خلوتی مصری ﷺ کے شاگرد ہیں اور ان کے چند مشہور تلامذہ یہ ہیں:

① مولانا قاری ضیاء الدین احمد بن منشی عبدالرزاق الہ آبادی ﷺ، استاذ اتحید مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ مولود ٢٩ جمادی الاولیٰ ١٢٩٠ھ / ٢٥ جولائی ١٨٨٣ء، متوفی ٧ / ربیع الثانی ١٣٤١ھ / ١٩٥١ء۔

② قاری عبدالمالک بن شیخ جیون ﷺ، استاذ اتحید دارالعلوم الاسلامیہ نڈوالہ یار حیدر آباد متوفی ١٣٤٩ھ / ٣٠ دسمبر ١٩٥٩ء۔

③ قاری حفظ الرحمن پرتاب گڑھی ﷺ، استاذ اتحید دارالعلوم دیوبند۔ مولود ١٣١٤ھ / ١٨٩٩ء۔

④ قاری عبدالوحید الہ آبادی ﷺ، استاذ اتحید دارالعلوم دیوبند۔ مولود ١٢٩٦ھ / ١٨٨٤ء، متوفی ١٣٦٥ھ / ١٩٣٥ء۔

⑤ قاری عبدالحق صاحب سہارنپوری ﷺ۔ مولود ١٢٩٨ھ / ١٨٨٠ء، متوفی ١١ اپریل ١٩٥٤ء۔

⑥ قاری عبدالمعبود صاحب ناروی بن منشی عبدالرزاق ﷺ۔ مولود ١٣٠٤ھ / ١٨٨٩ء۔

⑦ قاری مفتی نصیر الدین نعمانی ﷺ

⑧ نواب حبیب الرحمن خاں شروانی ﷺ

⑨ قاری محمد حسین الہ آبادی بن ولایت حسین ﷺ، مولود ١٣١٤ھ / ١٨٩٩ء خلیفہ مجاز حضرت حاجی امداد اللہ ﷺ۔

⑩ قاری محمد سراج الحق ﷺ، پروفیسر فارسی الہ آباد یونیورسٹی، بن حافظ فضل الحق مولود ١٣١٩ھ / ١٩٠١ء۔

⑪ قاری ممت اللہ ﷺ سجادہ نشین موگیہ۔

⑫ قاری مولانا عبدالحی ﷺ، ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ والد بزرگوار مولانا ابوالحسن علی ندوی ﷺ مولود ١٨ رمضان ١٢٨٦ھ / ١٨٦٩ء، متوفی ١٣٣١ھ / ١٩٢٢ء۔

⑬ قاری محمد نظر ﷺ، استاد مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ۔

⑭ قاری محمد صدیق ﷺ، استاد مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ متوفی ١٣٣٩ھ / ١٩٣٠ء۔

⑮ حافظ محمد سابق لکھنوی ﷺ۔

جمادی الآخرة ٣٠

- ۱۶) قاری محمد سلیمان سورتی رحمۃ اللہ علیہ۔
- ۱۷) قاری عبداللطیف الہ آبادی بن حاجی خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ۔ مولود ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء۔
- ۱۸) قاری محبوب علی الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ۔ مولود ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء۔
- ۱۹) قاری رجب علی الہ آبادی بن عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ۔ مولود ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء۔
- ۲۰) قاری یوسف حسن خان بہاری بن الہی بخش خاں رحمۃ اللہ علیہ۔ مولود ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء۔
- ۲۱) قاری قطب الدین سنبھلی بن مولانا منیر الدین رحمۃ اللہ علیہ۔ مولود ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء، متوفی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء۔
- ۲۲) قاری عبدالستار کانپوری بن عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ۔ مولود ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء، متوفی ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء۔
- ۲۳) قاری شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ، ناظم دارالعلوم میٹو۔ متوفی ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء۔
- ۲۴) قاری احمد سعید الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۵ء۔
- ۲۵) مولانا قاری حیدر حسن ٹوٹی بن احمد حسن رحمۃ اللہ علیہ۔ مولود ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء، متوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۴ء۔
- ۲۶) قاری فضل جھلی شہری بن عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ۔ مولود ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء، متوفی ۱۳۳۵ھ/۱۹۲۶ء۔
- ۲۷) مولانا قاری راغب علی رحمۃ اللہ علیہ۔ مولود ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء، متوفی ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۶ء۔

۲ تلامذہ قاری محی الاسلام عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ القراء مولانا قاری ابو محمد محی الاسلام بن حاجی محمد مفتاح الاسلام عثمانی اموی قرشی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ مولود ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء، متوفی ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء قاری عبدالرحمن بن عبدالصمد خان اور مولانا قاری عبدالرحمن محدث انصاری قادری بن مولانا قاری محمد بن خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید ہیں، اُن کے بے شمار تلامذہ ہیں جن میں سے چند معروف یہ ہیں:

- ۱) قاری فتح محمد بن محمد اسماعیل پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۱۸ شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ/اپریل ۱۹۸۷ء۔
- ۲) قاری وقاء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ۔ مدرس مدرسہ اسلامیہ اشرفیہ جیکب لائن کراچی، متوفی ۱۳۹۳ھ/۳ اکتوبر ۱۹۷۳ء۔
- ۳) مولانا قاری سیف اللہ نیازی، فاضل دارالعلوم دیوبند، پیش امام پیر الہی بخش کالونی، کراچی۔
- ۴) قاری شیر محمد۔
- ۵) قاری محمد مدنی برادر مولانا قاری سیف اللہ۔
- ۶) قاری ملا بیگی۔ [ماہنامہ 'الحقانیہ' کوڑہ خٹک]

۳ تلامذہ قاری عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ

قاری عبدالملک بن شیخ جیون رحمۃ اللہ علیہ۔ مولود ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء بمقام علی گڑھ، متوفی ۱۳۷۹ھ/۳۰ دسمبر ۱۹۵۹ء قاری محمد عبداللہ مکی بن محمد بشیر خان رحمۃ اللہ علیہ اور قاری عبدالرحمن مکی بن محمد بشیر خان رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے ۱۹۵۰ء تک مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ وغیرہ میں تجوید کی خدمت کی پھر ۱۹۵۱ء سے تاحیات پاکستان میں شعبہ تجوید کی خدمات سرانجام دیں اور بے شمار طلبہ کو فیض پہنچایا۔ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چند معروف تلامذہ یہ ہیں:

- ۱) قاری محمد شریف امرتسری رحمۃ اللہ علیہ، جو متحدہ ہندوستان میں لکھنؤ سے تجوید و قراءت حاصل کرنے کے لئے تشریف

لائے تھے، انہوں نے دوبارہ قاری عبدالمالک رحمہ اللہ سے استفادہ کیا۔

۲ مولانا قاری اظہار احمد تھانوی رحمہ اللہ لاہور۔ مولود ۹ ذی قعدہ ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء، متوفی ۱۰ جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ / ۱۷ دسمبر ۱۹۹۱ء۔

۳ مولانا قاری حسن شاہ مہاجر مدنی رحمہ اللہ لاہور۔ مولود اکتوبر ۱۹۲۷ء، متوفی ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ / ۲۴ اپریل ۱۹۹۴ء۔

۴ مولانا قاری غلام نبی رحمہ اللہ، کوئٹہ۔

۵ قاری محمد صدیق صاحب لکھنوی رحمہ اللہ، لاہور۔

۶ قاری عبدالمجید ذاکر رحمہ اللہ، خلف الصدق قاری عبدالمالک رحمہ اللہ۔

۷ قاری شاکر انور رحمہ اللہ، خلف الرشید قاری عبدالمالک صاحب رحمہ اللہ۔

۸ مولانا قاری عبدالوہاب گوٹروی رحمہ اللہ، متوفی ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۱ء۔

۹ قاری حبیب اللہ صاحب ٹوکی رحمہ اللہ۔ مولود ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء، متوفی ۱۹۷۶ء بمقام کراچی (غالباً)

۱۰ مولانا قاری سعید الرحمن، راولپنڈی۔

۱۱ قاری محمد افضل، راولپنڈی۔

۱۲ قاری عبدالقادر، بہاولنگری۔

۱۳ قاری غلام رسول، لاہور۔

۱۴ قاری سید علی کشمیری

۱۵ قاری منظور الحق، بہاولپوری۔

۱۶ قاری افتخار احمد، بلوچستانی۔

۱۷ قاری سرفراز احمد صدیقی تھانوی، برادر خرد قاری اظہار احمد تھانوی رحمہ اللہ۔

۱۸ قاری غلام فرید کیملپوری۔ (تذکرہ قراء کرام، ص: ۱۵)

۱۹ قاری عبدالعزیز بن نور محمد اکبر الہ آبادی رحمہ اللہ۔ مولود ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱ء۔

۲۰ قاری عبدالخالق لکھنوی۔ مولود ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء۔

۲۱ قاری محمد ادریس بخاری رحمہ اللہ۔ مولود ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء۔

۲۲ مولانا قاری ریاست علی لکھنوی رحمہ اللہ۔ مولود ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۷ء۔

۲۳ قاری صغیۃ اللہ محمد اسد اللہ خان ٹوکی رحمہ اللہ۔ مولود ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۵ء۔

۲۴ قاری حافظ محمد نعمان بن مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ۔ مولود ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۳ء۔

۲۵ قاری محمد اسلم لکھنوی بن واجد علی رحمہ اللہ۔ مولود ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء۔

۲۶ قاری نسیم الدین عظیم آبادی رحمہ اللہ۔ مولود ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء۔

۲۷ قاری محمد شریف الدین گیاوی بن مولانا خیر الدین رحمہ اللہ۔ مولود ۱۲۴۴ھ / ۱۸۲۸ء۔

۲۸ قاری فخر الدین بن مولانا خیر الدین رحمہ اللہ۔ مولود ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء۔

۲۹

- ۴۹ قاری جلیل اشرف مونگیری رحمۃ اللہ علیہ۔ مولود ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء۔
- ۵۰ قاری مہدی حسن بخاری بن ایشان داملمہ رحمۃ اللہ علیہ۔ مولود ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء۔
- ۵۱ قاری مولانا سعد اللہ بخاری بن مولانا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ۔ مولود ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء۔
- ۵۲ قاری مولانا بخش ٹوکی رحمۃ اللہ علیہ۔ مولود ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء۔
- ۵۳ قاری محمد قاسم لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء۔
- ۵۴ قاری غلام نبی گیاوی رحمۃ اللہ علیہ۔ مولود ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۸ء، متوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء۔ (تذکرہ قاریان ہند)

۴ تلامذہ قاری فتح محمد رحمۃ اللہ علیہ

قاری فتح محمد بن محمد اسماعیل پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ، متوفی ۱۸ شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ/اپریل ۱۹۸۷ء شیخ القراء مولانا قاری محی الاسلام بن حاجی محمد مفتاح الاسلام عثمانی، اموی قرشی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، ان کے بے شمار تلامذہ ہیں۔ چند مشہور یہ ہیں:

- ۱ قاری رحیم بخش بن چوہدری فتح محمد حافظ رحم علی رحمۃ اللہ علیہ، استاد مدرسہ خیر المدارس ملتان پاکستان۔ متوفی ۱۲ ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ/۳۰ دسمبر ۱۹۸۲ء۔
- ۲ قاری محمد سلیمان بن کالے خان میواتی رحمۃ اللہ علیہ۔ مولود ۱۳۳۵ھ/۱۸۹۷ء۔
- ۳ قاری محفوظ الحق حتی بن مولانا منظور الحق رحمۃ اللہ علیہ، مدرس مدرسہ اسلامیہ اشرفیہ جیکب لائن کراچی۔ متوفی ۱۵ صفر المظفر ۱۴۲۴ھ/۱۸ اپریل ۲۰۰۳ء۔ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے راقم (محمد صدیق ارکانی) کو دوران انٹرویو فرمایا کہ میں قاری فتح محمد رحمۃ اللہ علیہ کا باقاعدہ شاگرد نہیں ہوں بلکہ مجھے انہوں نے صرف اجازت دی ہے۔
- ۴ قاری ضیاء الاسلام اکبر آبادی بن قاضی سراج الاسلام رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء۔
- ۵ مولانا قاری احترام الحق تھانوی بن خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔ موصوف نے مجھے دوران انٹرویو بتایا کہ میں نے قاری فتح محمد رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن پاک کا کچھ حصہ پڑھا ہے۔

۵ قاری سراج احمد مظفر مری رحمۃ اللہ علیہ

قاری سراج احمد صاحب مدرسہ سبحانیہ الہ آباد کے فاضل اور قاری عبدالرحمن مکی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ قاری الرحمن مکی رحمۃ اللہ علیہ کی سند مضبوط ہے۔ قاری سراج رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۵۰ء سے تاحیات پاکستان میں شعبہ تجوید کی خدمات انجام دیں۔

۶ قاری عبدالعزیز شوقی رحمۃ اللہ علیہ

قاری عبدالعزیز شوقی رحمۃ اللہ علیہ، متوفی ۹ شعبان ۱۳۹۱ھ/۲۰ ستمبر ۱۹۷۱ء دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور قاری حفظ الرحمن استاد دارالعلوم دیوبند کے شاگرد ہیں۔ قاری حفظ الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، قاری عبدالرحمن مکی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ قاری عبدالرحمن مکی رحمۃ اللہ علیہ کی سند مضبوط ہے۔ قاری عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تاحیات پاکستان میں تجوید پڑھائی۔

قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چند معروف تلامذہ یہ ہیں:

- ① قاری عبدالقیوم صاحب، لاہور۔
- ② قاری حاجی محمد اسماعیل صاحب (نقشبندی) ملتان۔
- ③ قاری محمد یعقوب صاحب نقشبندی، ملتان۔
- ④ قاری بشیر احمد صاحب مہاجر مدنی۔
- ⑤ قاری عبدالرحمان صاحب تونسوی مہاجر مدنی۔
- ⑥ قاری عبدالرشید صاحب، شیخ اتچوید دارالعلوم کراچی۔
- ⑦ قاری عبدالرحمان ڈیروی رحمہ اللہ، لاہور۔ مولود ۱۹۴۰ء، متوفی ۲۳ اکتوبر ۲۰۰۳ء۔
- ⑧ قاری حبیب الرحمن صاحب، راولپنڈی۔
- ⑨ قاری احمد میاں تھانوی رحمہ اللہ، لاہور۔
- ⑩ مولانا قاری مشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، لاہور۔ [تذکرہ قراء کرام ص: ۱۶]

② قاری محمد شریف امرتسری رحمہ اللہ

قاری محمد شریف امرتسری رحمہ اللہ قاری عبدالمالک رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں۔ یہ قیام پاکستان کے بعد پاکستان آئے اور تاحیات شعبہ تجوید کی خدمت کی۔

ان کے چند معروف تلامذہ یہ ہیں:

- ① قاری فضل ربی، مانسہرہ۔
- ② قاری فیاض الرحمن صاحب، پشاور۔
- ③ قاری اکبر شاہ صاحب، راولپنڈی۔
- ④ قاری محمد عمر صاحب، لاہور۔
- ⑤ قاری عبدالرب صاحب، ملتان۔
- ⑥ قاری تقی الاسلام صاحب، لاہور۔
- ⑦ بریگیڈیئر (ر) قاری فیوض الرحمن صاحب، راولپنڈی۔
- ⑧ قاری نور الحق صاحب، ہری پور۔
- ⑨ قاری محمد صدیق صاحب، فیصل آباد۔
- ⑩ قاری محمد امیر صاحب۔
- ⑪ قاری محمد اقبال صاحب۔ [تذکرہ قراء کرام ص: ۱۶]

⑧ تلامذہ قاری وقاء اللہ رحمہ اللہ

قاری وقاء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ، متوفی ۱۳۹۳ھ / ۳ اکتوبر ۱۹۷۳ء قاری محی الاسلام عثمانی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں اور انہوں نے لگ بھگ ۱۹۶۴ء سے تا وفات مدرسہ اشرفیہ جیکب لائن کراچی میں شعبہ حفظ و تجوید کی خدمت سرانجام دی۔

ان کے بے شمار تلامذہ میں سے چند مشہور یہ ہیں:

- ① مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، صدر دارالعلوم کراچی۔
 - ② مولانا مفتی محمد تقی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی۔
 - ③ مولانا قاری احترام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، بن خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔
 - ④ مولانا قاری تنویر الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، بن مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔
 - ⑤ حضرت مولانا فضل الرحیم رحمۃ اللہ علیہ، بن مولانا مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ، ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ، لاہور۔
 - ⑥ مولانا قاری احسان الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، فاضل جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی مقیم حال جرمنی۔
 - ⑦ مولانا قاری اسماعیل میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ، مقیم حال کورنگی کراچی۔
- نوٹ: مقدم الذکر دونوں حضرات اصالۃ قاری نذیر صاحب کے شاگرد ہیں۔

⑨ تلامذہ قاری رحیم بخش رحمۃ اللہ علیہ

مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ بن چوہدری فتح محمد حافظ رحم علی رحمۃ اللہ علیہ۔ مولود رجب ۱۳۴۱ھ / فروری ۱۹۲۳ء، متوفی ۱۲ / ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ / ۳۰ / دسمبر ۱۹۸۲ء قاری فتح محمد پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ قاری رحیم بخش رحمۃ اللہ علیہ نے قیام پاکستان (۱۹۴۷ء) سے تاحیات جامعہ خیر المدارس ملتان پاکستان میں شعبہ تجوید کی تدریس کی۔ ہزاروں طلبہ نے ان سے فیض حاصل کیا ہے جن میں چند مشہور تلامذہ یہ ہیں:-

- ① مولانا خان محمد صاحب، خانقاہ سراجیہ کنڈیاں شریف۔
- ② مولانا مفتی عبداللہ ملتانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳ / جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ / ۲۵ / جنوری ۱۹۸۵ء۔
- ③ مولانا قاری احترام الحق تھانوی۔
- ④ مولانا سید ابوبکر بخاری رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۲۸ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ / ۲۴ / اکتوبر ۱۹۹۵ء۔
- ⑤ مولانا صوفی محمد سرور رحمۃ اللہ علیہ۔
- ⑥ مولانا سید عطاء الحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۱۲ / نومبر ۱۹۹۹ء۔
- ⑦ مولانا قاری عبداللہ مدنی رحمۃ اللہ علیہ۔
- ⑧ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری رحمۃ اللہ علیہ، جیسے ممتاز علماء شامل ہیں۔

⑩ تلامذہ قاری محفوظ الحق رحمۃ اللہ علیہ

جناب قاری محفوظ الحق حق رحمۃ اللہ علیہ بن الحاج مولانا قاری منظور الحق علی گڑھی رحمۃ اللہ علیہ، مولود ۱۹۲۷ء، متوفی ۱۵ / صفر ۱۴۲۴ھ / ۱۸ / اپریل ۲۰۰۳ء قاری محمد حبیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ بن مولانا حکیم غلام حیدر الناصر الافغانی رحمۃ اللہ علیہ مولود ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء، متوفی ۱۹۷۶ء (غالباً) کے شاگرد ہیں اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز ہیں۔ قاری محفوظ الحق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ قاری محمد حبیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے بروایت ابی بکر شعبہ بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابی عمر حفص بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ عن الامام عاصم کوئی رحمۃ اللہ علیہ تجوید پڑھی اور قاری محمد حبیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ قاری عبدالمالک رحمۃ اللہ علیہ بن شیخ جیون علی گڑھی رحمۃ اللہ علیہ سے تجوید پڑھی اور قاری محفوظ

الحق رحمہ اللہ نے مدرسہ اشرفیہ جیکب لائن کراچی میں شعبہ حفظ اور تجوید کی خدمت یکم ذیقعدہ ۱۳۸۳ھ / ۱۶ مارچ ۱۹۶۴ء سے تاحیات کی۔ اس دوران ہزاروں تلامذہ نے قاری صاحب رحمہ اللہ سے استفادہ کیا، جن میں چند مشہور یہ ہیں:

- ① مولانا قاری محمود الحق حق رحمہ اللہ بن قاری محفوظ الحق حق، پیش امام جامع مسجد جہانگیری جہانگیر روڈ و استاذ مدرسہ اشرفیہ جیکب لائن، کراچی۔
- ② حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی رحمہ اللہ بن خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ۔
- ③ مولانا قاری محمد عمران رحمہ اللہ بن مولانا محمد عرفان رحمہ اللہ، مہتمم دارالعلوم تعلیم القرآن بانڈہ منیر خاں ہری پور صوبہ سرحد۔
- ④ مولانا قاری مفتی محمد یحییٰ عاصم بن محمد اقبال رحمہ اللہ، استاذ دارالعلوم کراچی۔
- ⑤ ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ، ریکٹر اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد و سابق وفاقی وزیر مذہبی امور۔
- ⑥ حافظ محمد شکیل رحمہ اللہ۔



شیر

نوٹ: ادارہ نے ۲۵۰ صفحات پر مشتمل 'قراءات نمبر' کی اشاعت کا ارادہ کیا تھا جو اللہ تعالیٰ کی توفیق، علماء کرام و قراء کرام کی معاونت اور ادارہ 'رشد' کے اراکین کی محنت سے بجائے ۲۵۰ کے ۱۶۰۰ صفحات پر جا پہنچا ہے۔ چنانچہ ادارہ نے فیصلہ کیا ہے کہ مذکورہ خصوصی اشاعت کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ بنا بریں حالیہ شمارہ، جو ۲۰ صفحات پر مشتمل ہے تین ماہ اپریل تا جون ۲۰۰۹ء اور آئندہ شمارہ جو قراءات نمبر ہی کا دوسرا حصہ ہوگا، بھی اسی ضخامت میں جولائی تا ستمبر ۲۰۰۹ء پر مشتمل ہوگا۔ قارئین نوٹ فرمائیں۔ [ادارہ]

مروجہ قراءات قرآنیہ اور مطبوع مصاحف کا جائزہ

قرآن کریم میں رب ذوالجلال کا ارشاد ہے کہ ”قرآن کریم کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے۔“ [الحجر: ۹] اسی طرح فرمایا کہ قرآن کریم میں کسی بھی طریقہ سے باطل کو داخل کرنے کی کوئی کوشش کبھی کامیاب نہیں ہو سکے گی، [حم السجدة: ۳۲] حتیٰ کہ اس ضمن میں اتمام حجت کے لیے انتہائی انداز اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ اے محمد ﷺ! اگر آپ بھی اس طرح کی کوئی کوشش کریں گے تو ہم آپ کی شررگ کاٹ ڈالیں گے۔ [الحاقة: ۳۶] ان نصوص سے قطع نظر ﴿أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ [حم السجدة: ۵۳] اور اللہ تعالیٰ کی صفت ﴿الْمُؤْمِنُ﴾ [الحشر: ۲۳] اس بات کی دلیل قاطع ہے کہ چودہ صدیوں سے اُمت کا قراءت قرآنیہ کو قبول کرنے کا متفق تعامل اللہ تعالیٰ کی تکوینی تقدیر اور تائیدی نبی کے ساتھ ہی ممکن ہوا ہے، جس کی سادہ عقلی دلیل یہ ہے کہ آپ مشرق کے ایک کونے سے مغرب کے دوسرے کونے تک اور شمال سے جنوب کی انتہاؤں پر چلے جائیں، جن لوگوں کی کبھی ملاقات ممکن نہ تھی، ان کی تلاوتوں میں بھی معمولی سا معمولی اختلاف نظر نہیں آتا۔ روایت ورش، روایت قائلون، روایت دوری وغیرہ جس طرح ہزاروں میل دور رہنے والے مغربی ممالک کے لوگ پڑھتے ہیں، ہمارے مشرقی علاقوں کے دیہات کے رہنے والے طلبائے علم کے تعلیم و تعلم میں اخذ کردہ روایت ورش، روایت قائلون اور روایت دوری میں ذرہ برابر اداء یا لہجہ کا فرق نظر نہیں آتا، لیکن کنوئیں کے مینڈک کے مصداق، تنگ نظر دانشوروں کا خیال یہ ہے کہ قراء کرام قراءتوں کو خود ہی وضع کر کے چودہ صدیوں سے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے آزاد پھر رہے ہیں۔ مجلس التحقیق الاسلامی کے فاضل رکن قاری محمد مصطفیٰ راسخ رحمہ اللہ نے انتہائی کدوکاوش کے ساتھ متعدد اسلامی ممالک کے طبع شدہ روایت ورش کے ۱۲، روایت قائلون کے ۷ اور روایت دوری کے ۴ مصاحف کو جمع کیا ہے اور عقل و نظر کے ان ناپیناؤں کے لیے چشم کشا حقیقت کو آشکارا کرنے کیلئے زیر نظر مضمون کو ہدیہ قارئین کیا ہے۔ [ادارہ]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو سب سے احرف پر نازل کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد نبوی میں خود نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ سب سے احرف پر ہی پڑھتے اور پڑھاتے رہے۔ جیسے ہی قرآن مجید کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو نبی کریم ﷺ کا تین وحی کو بولا کر فوراً لکھوا دیا کرتے اور حفظ وحی کے مشتاق صحابہ اسے یاد کر لیا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کے دور میں کتابت کے باوجود حفظ قرآن کا بنیادی ذریعہ حفظ و ضبط ہی تھا۔ اس حفظ کی تاکید کے لیے حضرت جبریل علیہ السلام ہر رمضان المبارک میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے۔ یاد رہے کہ آپ ﷺ کی زندگی کے آخری رمضان المبارک میں دو مرتبہ دور کیا گیا، جسے عرضہ اخیرہ کہا جاتا ہے۔

عہد نبوی ﷺ

نبی کریم ﷺ کے دور میں قرآن مجید مکمل لکھا جا چکا تھا مگر ایک جگہ جمع نہ تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اصل اعتماد حضور ﷺ کی تعلیم اور حفظ پر تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض کو تمام، بعض کو نصف، بعض کو ربع اور بعض کو اس سے کم و بیش قرآن مجید زبانی یاد تھا۔ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے بھی تھے جو مکمل قرآن مجید کے حافظ اور قاری تھے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ [شرح سبعہ قراءات: ۱/۱۷۱] ان میں سے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی یہ ہیں:

سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر بن خطاب، سیدنا عثمان بن عفان، سیدنا علی، سیدنا عبداللہ بن مسعود، سیدنا معصب بن عمیر، سیدنا ابوالدرداء، سیدنا ابی بن کعب، سیدنا زید بن ثابت، سیدنا معاذ بن جبل اور سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ [شرح سبعہ قراءات: ۱/۲۸۱]

عہد صدیقی

امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جنگ یمامہ واقع ہوئی جس میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔ اس نازک صورت حال کا ادراک کرتے ہوئے کہ کہیں حفاظ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت سے قرآن مجید معدوم نہ ہو جائے، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کا مشورہ دیا۔ پہلے تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جو کام نبی کریم ﷺ نے نہیں کیا وہ کام میں کیوں کر کر سکتا ہوں؟ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مسلسل اصرار اور توجہ دلانے پر اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا اور وہ اس کام کو کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔

امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کاتب وحی سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں ایک کمیٹی تشکیل دی جس میں ان کے ساتھ سیدنا عبداللہ بن زبیر اسدی رضی اللہ عنہ، عبدالرحمن بن حارث بن ہشام مخزومی رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعید بن عاص اموی رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اگر مجھے پہاڑ اٹھانے کا حکم دیا جاتا تو میرے لیے اس کام سے آسان ہوتا۔“

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حافظ ہونے کے باوجود ایک ایک آیت صحابہ کرام کی گواہی سے لکھی اور تمام قرآن مجید کو ایک جگہ جمع کر دیا، مگر وہ متفرق صحیفے تھے جو تاحیات امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہے۔ ان کی وفات کے بعد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ رہے اور آپ کی شہادت کے بعد ان کی بیٹی ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود رہے۔ [شرح سبعہ قراءات: ۱/۲۸۱]

عہد عثمانی

امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور حکومت (۳۰ھ) میں آرمینیا اور آذربائیجان کی جنگیں ہوئیں، جن میں سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بھی شریک ہوئے۔ جس میں انہوں نے دیکھا کہ مسلمان قراءات قرآنیہ کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں اور ہر شخص اپنی قراءت کو دیگر کی قراءت پر افضل قرار دے رہا ہے۔ اس گھمبیر صورت حال کو دیکھ کر سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ انتہائی رنجیدہ ہوئے اور مدینہ منورہ پہنچ کر امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اس نازک صورت حال سے آگاہ کیا اور مشورہ دیا: اے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ! قرآن مجید کے متعلق امت

کا تفرقہ مٹائیے اور اس سے قبل کہ ان میں یہود و نصاریٰ کی مانند اختلاف پیدا ہو جائے ان کی دست گیری کیجئے۔ امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود صحیفہ منگوائے اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، جو عہد صدیقی میں بھی یہ خدمت سرانجام دے چکے تھے، کو یہ کام سرانجام دینے کا حکم دیا کہ وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جمع شدہ کام کو حکومتی نگرانی میں دوبارہ فائل کر دیں تاکہ لوگوں میں کچھ مصدقہ و مستند مصاحف بھیج دیے جائیں، تاکہ آئندہ سے قرآن کریم کے ضمن میں پیدا ہونے والے اختلافات میں صحیح و غلط کے مابین امتیاز کرنے کے لیے علیحدہ سے کوئی معیار مقرر کیا جاسکے۔

انہوں نے ان متفرق صحیفوں کو یکجا کیا اور ان کے کئی نسخے تیار کئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہ حکم دیا کہ اگر کسی کلمہ میں سیدنا زید اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہو جائے تو اسے لغت قریش کے رسم کے موافق لکھیں، کیونکہ قرآن مجید ابتداء لغت قریش ہی میں نازل ہوا تھا، اس لیے لغت قریش کو دیگر عربی لغات پر یک گونہ فضیلت حاصل ہونے کی وجہ سے ترجیح دی گئی۔ جب قرآن مجید کے کم و بیش آٹھ عدد نقول تیار کر لی گئیں تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہ صحابہ کے سامنے اس کام کو پیش کیا، تمام نے اس کے جائزہ کے بعد اس مہر تصدیق پیش فرمائی، اس طرح سے تاریخ اسلامی میں پہلی دفعہ حکومتی نگرانی میں ایک معیاری رسم الخط کا تعین ہو گیا، جس پر بارہ ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاق بھی کرا لیا گیا۔ اب دنیا کے تمام کونوں میں مصاحف کی ایک ایک نقل بھیجے کا انتظام کیا گیا۔ مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، کوفہ، بصرہ، دمشق، یمن اور بحرین کے علاقوں میں ایک ایک مصحف معلمین کے ساتھ روانہ کیا گیا اور ان علاقوں کے لوگوں کو حکم دیا گیا کہ اب وہ انہی مصاحف کے مطابق قرآن مجید کی تلاوت کیا کریں اور اپنے اختلافات کے ضمن میں اس کو معیار بنا کر اپنے اختلاف کو حل کریں، نیز اپنے پاس موجود غیر مصدقہ مصاحف کو جلا ڈالیں۔ ایک نسخہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس حکومتی نگرانی میں رکھ لیا، جسے مصحف امام کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید کے ان نسخوں پر تقریباً بارہ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا ہے کہ جو کچھ ان مصاحف عثمانیہ کے رسم کے مطابق نہیں ہے، وہ قرآن کا حصہ نہیں ہے۔ امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”مصاحف کے بارے جو کچھ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا ہے، اگر مجھے موقع ملتا تو میں بھی وہی کرتا۔“

علاوہ ازیں ان تمام مصاحف کو نقاط و اعراب سے خالی رکھا گیا تھا تاکہ جملہ قراءات کے حامل ہر سبکیں نیز نقص و زیادت کی ان وجوہ صحیحہ کی بعض مصاحف میں رعایت رکھی گئی تھی جو عرصہ اخیرہ تک منسوخ نہیں ہوئی تھیں اور اصل اعتماد اب بھی حفظ و ضبط پر تھا اور ہر شہر میں صحیح تلفظ سکھانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم قراء موجود تھے۔

[شرح سبعہ قراءات: ۷۲۱]

قراء صحابہ رضی اللہ عنہم

جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قاری، بعض حافظ اور بعض خصوصیت کے ساتھ قراءات کے امام تھے۔ مہاجرین میں سے سیدنا ابو بکر صدیق، سیدنا عمر بن خطاب، سیدنا عثمان بن عفان، سیدنا علی، سیدنا طلحہ، سیدنا ابن مسعود، سیدنا حذیفہ بن یمان، سیدنا ابو موسیٰ اشعری، سیدنا سالم، سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا ابن عمر، سیدنا ابن عباس، سیدنا ابن زبیر، سیدنا عمرو بن عاص، سیدنا ابن عمرو، سیدنا معاویہ، سیدنا عبداللہ بن سائب، سیدہ عائشہ اور سیدہ حفصہ اور انصار میں سے سیدنا ابی بن

کعب، سیدنا معاذ بن جبل، سیدنا ابوالدرداء، سیدنا زید، سیدنا مجمع بن جاریہ اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے وجوہ قراءات منقول ہیں۔ [شرح سبعہ قراءات: ۷۳۱]

ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اکثر نے براہ راست اور بعض نے بالواسطہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید پڑھا تھا اور تمام جماعت روزانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے قرآن مجید سنتی تھی۔ اس برگزیدہ جماعت نے ہر حرکت و اسکان اور حذف و اثبات کو آپ سے ضبط کیا اور جس طرح پڑھا تھا اسی طرح آگے تابعین عظام کو پڑھا دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ برگزیدہ جماعت ہر قسم کے وہم و شک سے پاک تھی۔

قراء تابعین رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد قرآن مجید پڑھانے والے تابعین عظام رضی اللہ عنہم ہیں جو اسلامی دنیا کے ہر گوشے میں موجود تھے۔ وہ پانچ معروف اسلامی مراکز میں خصوصیت کے ساتھ قراءات قرآنیہ کے استاد رہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

مدینہ منورہ

مدینہ منورہ میں قراءات پڑھانے والے متعدد تابعین عظام میں سے چند کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

امام زین العابدین، سعید بن میثب، عروہ بن زبیر، سالم بن عبداللہ، عمر بن عبدالعزیز، سلیمان و عطاء ابن یسار، معاذ بن حبیب، زید بن اسلم، عبدالرحمن بن ہرمل، عرج، عکرمہ اور محمد بن شہاب زہری رضی اللہ عنہم وغیرہ وغیرہ۔

مکہ مکرمہ

مکہ مکرمہ میں قراءات پڑھانے والے متعدد تابعین عظام میں سے چند کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

عبید بن عمر، عطاء بن ابی رباح، طاؤس، مجاہد بن جبر، عکرمہ بن خالد، ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہم وغیرہ وغیرہ۔

کوفہ

کوفہ میں قراءات پڑھانے والے متعدد تابعین عظام میں سے چند کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

علقمہ بن قیس، اسود بن زید، عبیدہ بن عمرو، عمرو بن شریکل، مسروق بن اجدع، ابو عبدالرحمن سلمی، زربن جیش، سعید بن جبیر، عامر شعبی، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ اور طلحہ بن مصرف رضی اللہ عنہم وغیرہ وغیرہ۔

بصرہ

بصرہ میں قراءات پڑھانے والے متعدد تابعین عظام میں سے چند کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

عامر بن عبد قیس، ابو العالیہ، نصر بن عاصم، یحییٰ بن یحمر، جابر بن زید، معاذ، ابن سیرین اور ابوالاسود الدؤلی رضی اللہ عنہم وغیرہ وغیرہ۔

دمشق

دمشق میں علم قراءات پڑھانے والے قراء کرام، بغیرہ بن الوشباب مخزومی رضی اللہ عنہ اور خلید بن سعید رضی اللہ عنہ ہیں۔

[شرح سبعہ قراءات: ۷۳۱، ۷۵۵]

ان تمام حضرات میں سے بعض نے براہ راست اور بعض نے بالواسطہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قرآن مجید پڑھا تھا اور ہر حرف کو ضبط کیا تھا۔ ان میں سے بعض نے اپنا تمام وقت، بعض نے اکثر اور بعض نے ایک حصہ خدمت قرآن کے لیے وقف کر رکھا تھا۔

کچھ لوگوں نے تو اپنی مکمل زندگی خدمت قرآن کے لیے وقف کر دی۔ حصول قراءات اور ان کے ضبط و حفظ میں اتنی محنت اور جدوجہد کی کہ جس سے زیادہ ممکن نہ تھی۔ حتیٰ کہ قراءات میں مقتدائے روزگار ائمہ بن گئے۔

ان ائمہ میں سے بعض نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم سے پڑھی ہوئی جملہ قراءات میں سے آحاد، غیر مشہور اور شاذ و جودہ کو چھوڑ کر عربیت میں اتنی اور موافق رسم وجوہ سے اپنے لیے جدا جدا قراءات اختیار کر لیں اور عمر بھر انہی کو پڑھتے اور پڑھاتے رہے۔ تمام محدثین و مفسرین اور فقہاء و مجتہدین ان کی اختیار کردہ قراءتوں کو بلا عذر قبول کرتے تھے اور کوئی اہل علم بھی ان کے کسی ایک حرف کا بھی انکار نہیں کرتا تھا۔ [شرح سبعة قراءات: ۷۱: ۷۱]

دوسری صدی ہجری سے انہی ائمہ کی اختیار کردہ قراءات پڑھی اور پڑھائی جانے لگیں۔ اسلامی ممالک کے دور دراز علاقوں، شہروں اور قصبوں سے تشنگان علم سفر کر کے ان ائمہ سے پڑھنے آتے اور ان قراءتوں کو ان کے نام سے منسوب کرتے تھے، جو آج تک انہی کے نام سے معنون چلی آرہی ہیں۔

اختیار قراءات کا یہ سلسلہ بے حد وسیع تھا جو صدیوں جاری رہا اور بے شمار صاحب اختیار ائمہ پیدا ہوئے۔ امام ابو محمد مکیؒ فرماتے ہیں: کتابوں میں ان ۷۰ صاحب اختیار ائمہ کی قراءات مذکور ہیں جو قراء سبعہ سے مقدم تھے۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ ان کے ہم مرتبہ اور ان سے کم مرتبہ کتنے ہی ائمہ ہوں گے۔ امام ابو حفص ابن جریر طبریؒ نے اپنی کتابوں میں قراء سبعہ سے مقدم وہ پندرہ قراءات نقل کی ہیں جو صحابہ کرامؓ کے عہد میں پڑھی جاتی تھیں۔ اور جن کی وہ نماز میں قراءت کیا کرتے تھے۔ [شرح سبعة قراءات: ۷۸: ۷۸]

ان صاحب اختیار ائمہ کے تلامذہ اور رواۃ بہت زیادہ تعداد میں تھے اور پھر ان میں سے ہر ایک کی جانشین ایک پوری قوم تھی جن کو احاطہ شمار میں لانا محال ہے، لیکن بعض ائمہ اور رواۃ کی قراءات کو اُمت کی طرف سے وہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ آج دنیا میں انہی کی قراءات کو پڑھا اور پڑھایا جا رہا ہے۔ مقبولیت کا شرف حاصل کرنے والی قراءات دس ہیں، جن کو ”قراءات عشرہ“ کہا جاتا ہے اور یہ قراءات متواترہ ہیں، جن میں سے سات اہل فن کے ہاں تصنیف و تالیف میں بہت زیادہ مشہور ہوئیں اور پھر ان سات میں سے بھی چار روایات کو عالم اسلام کے عام مسلمانوں میں قبول عام حاصل رہا۔ ان قراءات عشرہ کے ائمہ اور رواۃ کا تذکرہ راقم کے مضمون ”قراءات عشرہ اور ان کے رواۃ کا مختصر تعارف“ میں تفصیل سے گزر چکا ہے۔ تعارف کے لیے مذکورہ مضمون کا مطالعہ فرمائیں۔

قراءات متداولہ

چونکہ علم قراءات مشائخ اور قراء کے درمیان مخصوص رہا اور علوم حدیث و فقہ کی مانند اس کی طرف لوگوں کی توجہ کم رہی کیونکہ اس کا تعلق عام زندگی کے مسائل سے بالعموم کم ہے، چنانچہ شاید اللہ تعالیٰ کی یہی مرضی تھی کہ علم کم ہو جائے اور اہل علم اٹھائے جائیں، چنانچہ قرآن اور قراءات قرآنیہ کی طرف طلبہ کی توجہ کم ہو گئی تو مشائخ نے جب لوگوں میں سستی دیکھی اور ہمتوں میں فتور و قصور آ گیا تو وہ پہلے قراءات سبعہ اور پھر اس سے بھی کم پر قانع ہو گئے۔ عصر حاضر

میں بھی قراءات سب سے زیادہ مقبول عام ہے، باقی تین قراءات کی تدریس نسبتاً کم موجود ہے۔ جبکہ عشرہ کبریٰ متواترہ کی تدریس تو انگلیوں پر گنے چنے لوگ ہی کر رہے ہیں۔ عام لوگ تو صرف مروج و متداول قراءات ہی کی تعلیم پر اکتفا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قراءات کی حفاظت اور خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

[تاریخ القراءات فی المشرق والمغرب: ۱۴، ۱۵]

اگرچہ تمام قراءات عشرہ متواترہ کو عوامی طور پر قبول عام حاصل نہیں ہو سکا، لیکن اس وقت بھی دنیا میں چار روایات کو مقبولیت عامہ حاصل ہے اور وہ مختلف ممالک اسلامیہ میں عام تلاوت کے طور پر پڑھی جا رہی ہیں۔ وہ چاروں روایات متداولہ درج ذیل ہیں:

- ① روایت حفص عن الامام عاصم الکوفی
- ② روایت ورش عن الامام نافع مدنی
- ③ روایت قالون عن الامام نافع مدنی
- ④ روایت دوری عن ابی عمرو البصری

اب ہم ان چاروں روایات کا مختصر تعارف اور ان میں مطبوع مصاحف کا تذکرہ کرتے ہیں:

* روایت حفص عن عاصم

یہ روایت امام عاصم کوفی رضی اللہ عنہ کے شاگرد امام حفص رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے اور اسے امت کی طرف سے مقبولیت عامہ حاصل ہے۔ روایت حفص دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی روایت ہے، جو برصغیر پاک و ہند، مشرق وسطیٰ اور سعودی عرب سمیت اسلامی دنیا کے اکثر ممالک میں پڑھی اور پڑھائی جا رہی ہے۔ اس روایت کی تلاوت کرنے والے مسلمانوں کی تعداد کروڑوں تک جا پہنچتی ہے، جن کو احاطہ شمار میں نہیں لایا جاسکتا۔ حرمین شریفین مسجد حرام اور مسجد نبوی میں بھی اسی روایت کی تلاوت کی جاتی ہے۔ ان ممالک میں موجود لا تعداد طباعتی ادارے اس روایت کی نشر و اشاعت کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ مجمع ملک فہد لطباعة القرآن الکریم سعودی عرب کے زیر اہتمام کروڑوں کی تعداد میں روایت حفص عن الامام عاصم کو طبع کر کے دنیا کے متعدد ممالک میں مفت تقسیم کرنے کا سلسلہ برس ہا برس سے جاری و ساری ہے۔ مجمع ملک فہد لطباعة القرآن الکریم کے زیر نگرانی روایت حفص میں مطبوع مصحف میں آیات کی تعداد ۶۲۳۶ ہے۔

تلاوت میں روایت حفص عن عاصم کا عمومی منہج

چند اصولی اور نمایاں اختلافات، جن کی بنیاد پر روایت حفص عن عاصم کا دیگر روایات و قراءات سے فرق واضح ہوتا ہوتا ہے، درج ذیل ہیں:

- ① امام حفص رضی اللہ عنہ بین السورتین بسم اللہ پڑھتے ہیں اور بین الانفال والتوبة ان کے لیے تین وجوہ ”وقف، سکتہ اور وصل بغیر بسم اللہ“ ہیں۔
- ② متصل اور مد منفصل پر چار حرکتیں تو وسط کرتے ہیں:
- ③ چار مقامات پر سکتہ معنوی کرتے ہیں:

- ① عَوَجًا ☆ قَبِيهَا [الكهف: ۲۱]
 ② مَرَقِدًا هَذَا [يس: ۵۲]
 ③ مَبْنِي رَاقٍ [القيامة: ۲۷]
 ④ بَلْ رَانَ [المطففين: ۱۴]

[تاریخ القراء العشرة ورواتهم و منهج كل في القراءة از عبد الفتاح القاسمی: ص ۲۸]

* روایت قالون عن نافع

یہ روایت امام نافع رحمہ اللہ کے شاگرد امام قالون رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے اور اسے امت کی طرف سے مقبولیت عامہ حاصل ہے۔ روایت قالون دنیا میں بکثرت پڑھی و پڑھائی جانے والی روایات میں سے ہے، جو یلیبیا کے ساتھ تیونس، الجزائر، موریتانیہ اور افریقہ کے کئی ممالک میں مروج ہے۔ اس روایت کی تلاوت کرنے والے مسلمانوں کی تعداد بھی محدود ہے، مذکورہ ممالک میں موجود طباعتی ادارے اس روایت کی طباعت کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ مجمع الملك فهد لطباعة القرآن الكريم نے بھی روایت قالون عن نافع میں مصحف طبع کر کے متعلقہ ممالک میں کثیر تعداد میں مفت تقسیم کیا ہے اور کر رہا ہے۔ مجمع الملك فهد لطباعة القرآن الكريم کے زیر نگرانی روایت قالون عن نافع میں مطبوع مصحف میں آیات کی تعداد ۶۲۱۴ ہے۔

* تلاوت میں روایت قالون عن نافع کا عمومی منہج

چند اصولی اختلاف، جن کی بنیاد پر روایت قالون عن نافع دیگر روایات سے ممتاز ہوتی ہے، درج ذیل ہیں:

- ① امام قالون رحمہ اللہ دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ پڑھتے ہیں، جبکہ بین الانفال والتوبة بسم اللہ، سکتہ اور وصل کرتے ہیں۔
- ② اگر میم جمع کے بعد کوئی متحرک حرف آجائے تو میم جمع میں صلہ و عدم صلہ کرتے ہیں۔
- ③ متصل میں تو سطر اور مد منفصل میں قصر اور توسط کرتے ہیں۔
- ④ اگر ایک کلمہ میں دو ہمزے واقع ہوں تو دوسرے ہمزہ میں تسہیل مع الادخال کرتے ہیں۔
- ⑤ اگر دو ہمزے دو کلموں میں متعلق الحركت ہوں تو پہلے ہمزہ میں تسہیل کرتے ہیں اور مختلف الحركت ہو تو دوسرے ہمزہ میں قاعدے کے موافق تغیر بصورت تسہیل یا ابدال کرتے ہیں۔

[تاریخ القراء العشرة ورواتهم و منهج كل في القراءة: ۱۰۹]

* روایت ورش عن نافع

یہ روایت امام نافع مدنی رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید امام ورش رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے اور اسے امت کی طرف سے مقبولیت عامہ حاصل ہے۔ روایت ورش دنیا میں روایت حفص کے بعد سب سے زیادہ پڑھی جانے والی دوسری بڑی روایت ہے، جو مراکش، الجزائر، تیونس، موریتانیہ، سینیگال، چاڈ اور نايجیر یا سمیت متعدد مغربی اور براعظم افریقہ کے تمام ممالک میں متداول ہے۔ اس روایت کی تلاوت کرنے والے مسلمانوں کی تعداد بھی روایت حفص کی طرح

کروڑوں میں ہے۔ مذکورہ ممالک میں موجود طباعتی ادارے روایت ورش کی طباعت کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔
مجمّع الملك فهد لطباعة القرآن الکریم (سعودی عرب) نے بھی روایت ورش عن نافع میں مصحف طبع کر کے متعلقہ ممالک میں کروڑوں کی تعداد میں مفت تقسیم کیا ہے اور کر رہا ہے۔ مجمّع الملك فهد لطباعة القرآن الکریم کے زیر اہتمام روایت ورش عن نافع میں مطبوع مصحف میں آیات کی تعداد ۶۲۱۴ ہے۔

تلاوت میں روایت ورش عن نافع کا عمومی منہج

- ① چند نمایاں اختلافات، جن کی بنیاد پر روایت ورش عن نافع دیگر روایات سے ممتاز ہوتی ہے، درج ذیل ہیں:
- ② امام ورش رحمہ اللہ دو سورتوں کے درمیان تین وجوہ: بسم اللہ، سکتہ اور وصل بغیر بسم اللہ کرتے ہیں، جبکہ بین الانفال والتوبة امام قائلون رحمہ اللہ کی مانند فصل، سکتہ اور وصل کرتے ہیں۔
- ③ متصل اور مد منفصل پر چھ حرکتیں طول کرتے ہیں۔
- ④ مد بدل پر قصر، توسط، طول اور مد لیں پر توسط اور طول کرتے ہیں۔
- ⑤ اگر ہم دو ہمزے ایک کلمہ میں جمع ہوں اور دونوں مفتوح ہوں تو تسہیل بلا ادخال اور ابدال دو وجوہ کرتے ہیں اور اگر دوسرا ہمزہ مضموم یا مکسور ہو تو دوسرے ہمزہ میں تسہیل بغیر ادخال کرتے ہیں۔
- ⑥ اگر دو ہمزے دو کلموں میں متفق الحرت واقع ہوں، تو دوسرے ہمزہ میں تسہیل اور ابدال کرتے ہیں اور اگر مختلف الحرت ہوں تو سیدنا قائلون رحمہ اللہ کی مانند پڑھتے ہیں۔
- ⑦ اگر میم جمع کے بعد ہمزہ قطعی آجائے تو میم جمع میں صلہ کرتے ہیں۔
- ⑧ اگر فاکلمہ میں ہمزہ ساکنہ آجائے تو اسے ماقبل حرف کی حرکت کے موافق حرف مدہ سے بدل دیتے ہیں۔
- ⑨ ذوات الیاء میں فتح و تقلیل اور ذوات الالف وذوات الراء میں صرف تقلیل کرتے ہیں۔

[تاریخ القراء العشرة وروایاتهم ومنهج کل فی القراءۃ: ۱۱۱۰]

* روایت دوری عن ابی عمرو بصری

یہ روایت امام ابو عمرو بصری رحمہ اللہ کے شاگرد امام دوری رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے اور اسے امت کی طرف سے مقبولیت عامہ حاصل ہے۔ روایت دوری دنیا میں بکثرت پڑھی جانے والی روایات میں سے ہے، جو مصر، شام اور سوڈان سمیت اکثر افریقی ممالک میں پڑھی اور پڑھائی جا رہی ہے۔ مذکورہ ممالک میں موجود طباعتی ادارے اس روایت کی طباعت کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ مجمّع الملك فهد لطباعة القرآن الکریم روایت دوری عن ابی عمرو بصری میں مصحف طبع کر کے متعلقہ ممالک میں کثیر تعداد میں فری تقسیم کر رہا ہے۔ مجمع ملک فہد کی طرف سے روایت دوری عن ابی عمرو بصری میں مطبوع مصحف میں آیات کی تعداد ۶۲۱۴ ہے۔

تلاوت میں روایت دوری عن ابی عمرو بصری کا عمومی منہج

- ① چند نمایاں اختلافات، جن کی بنیاد پر روایت دوری عن ابی عمرو دیگر روایات سے ممتاز ہوتی ہے، درج ذیل ہیں:
- ② امام دوری رحمہ اللہ دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ، سکتہ اور وصل بغیر بسم اللہ کرتے ہیں، جبکہ بین الانفال والتوبة

فصل، سکتہ اور وصل بلا بسم اللہ پڑھتے ہیں۔

② مد متصل پر توسط اور مد منفصل پر قصر اور توسط کرتے ہیں۔

③ ایک کلمہ میں واقع دو ہمزوں میں سے دوسرے ہمزہ میں تسہیل مع الادخال کرتے ہیں۔

④ اگر دو ہمزے دو کلموں میں متفق الحرت واقع ہوں تو پہلے کو ساقط کر دیتے ہیں اور اگر مختلف الحرت ہوں تو دوسرے ہمزہ میں امام قالون رحمہ اللہ اور امام ورش رحمہ اللہ کی مثل تغیر کرتے ہیں۔

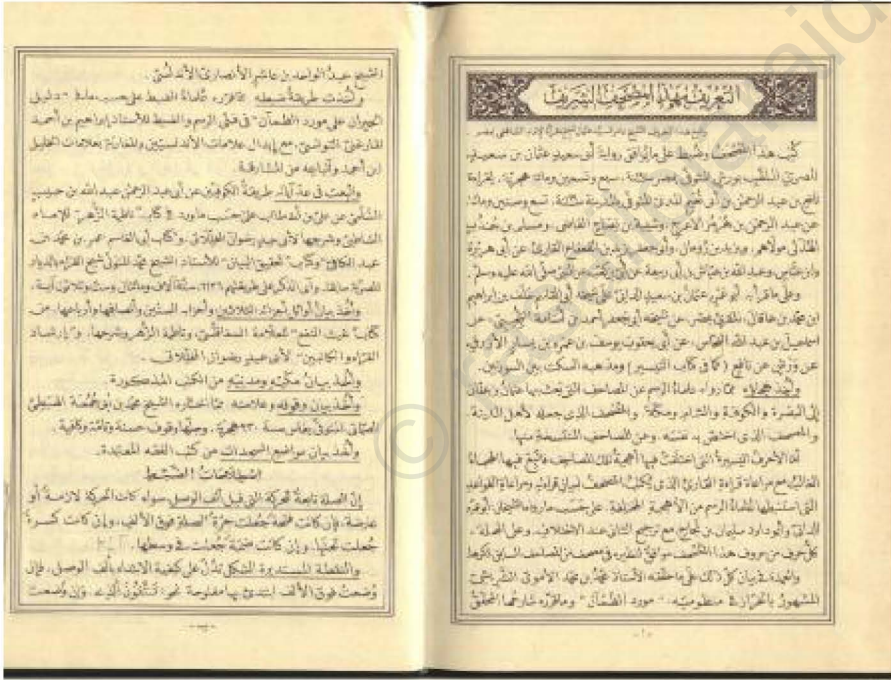
⑤ فَعْلٰی، فَعْلٰی اور فَعْلٰی کے وزن پر آنے والی ذوات الیاء میں تقلیل کرتے ہیں اور ذوات الالف و ذوات الراء

میں امالہ کرتے ہیں۔ [تاریخ القراء العشرہ و رواۃہم و منهج کل فی القراءۃ: ۱۹، ۲۰]

چونکہ مذکورہ چاروں روایات مختلف بلاد اسلامیہ میں متداول ہیں، چنانچہ ان ممالک میں قرآن مجید کی طباعت بھی انہی روایات میں ہوتی ہے۔ مجمع ملک فہد لطباعۃ القرآن الکریم سعودی عرب کے زیر اہتمام ان چاروں متداول روایات کی طباعت جاری ہے۔ اس وقت ہمارے ہاں مکتبہ کلیۃ القرآن الکریم میں ان چاروں متداول روایات میں مختلف مطابع کے مطبوعہ مصاحف کافی تعداد میں موجود ہیں، جو با آسانی ہمیں دستیاب ہو گئے ہیں۔ اگر مزید کچھ تک و کر لی جائے تو ان شاء سیکٹروں مطابع کے مصاحف کو اکٹھا کیا جاسکتا ہے۔ مشرق وسطیٰ اور افریقہ کے بعض ممالک میں، جہاں روایت حفص کے علاوہ دیگر قراء متواترہ پڑھی اور پڑھائی جارہی ہیں، وہاں ہماری قراءت یعنی روایت حفص کو عامۃ الناس بالکل نہیں جانتے، یعنی اسی طرح ہمارے ہاں کے عوام الناس اُن ممالک میں پڑھی اور پڑھائی جانے والی متداول روایات سے لاعلم ہیں۔

بطور دلیل مختلف طباعتی اداروں کے زیر اہتمام ان متداول روایات میں مطبوعہ مصاحف کے ابتدائی صفحات کے عکس پیش خدمت ہیں، جن میں سے روایت قالون عن نافع کے پانچ [۵]، روایت ورش عن نافع کے بارہ [۱۲]، روایت دوری عن ابی عمرو بصری کے چار [۴] اور روایت حفص عن عاصم میں دو معیاری [۲] مصاحف کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ روایات کس طرح اللہ کی حفاظت قرآن کے وعدے کے طور پر مسلسل طبع ہو رہی ہیں اور بیسیوں طباعت خانے اس سلسلے میں کڑوروں، اربوں کی تعداد میں ان روایات کو زیور طباعت سے آراستہ کر رہے ہیں۔ یہاں ہم پروفیسر حافظ احمد یار رحمہ اللہ اور ان کے فرزند ارجمند جناب ڈاکٹر نعم العبدی رحمہ اللہ کا تذکرہ خصوصیت سے کرنا ضروری سمجھتے ہیں، جن کی محنتوں سے ہم ان مصاحف کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ پروفیسر صاحب رحمہ اللہ کی قرآن مجید کے سلسلے میں کی گئی محنتوں کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان کے لئے باعث نجات بنائے۔ آمین

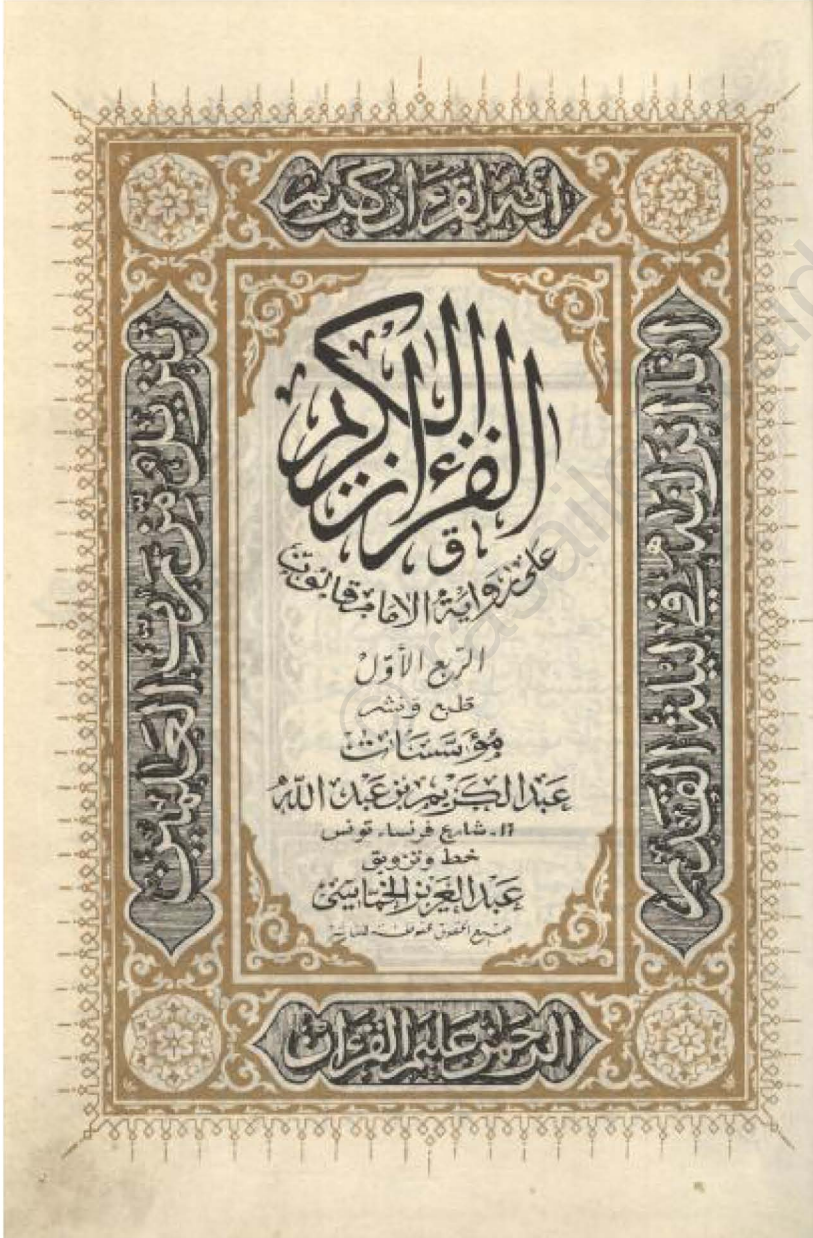




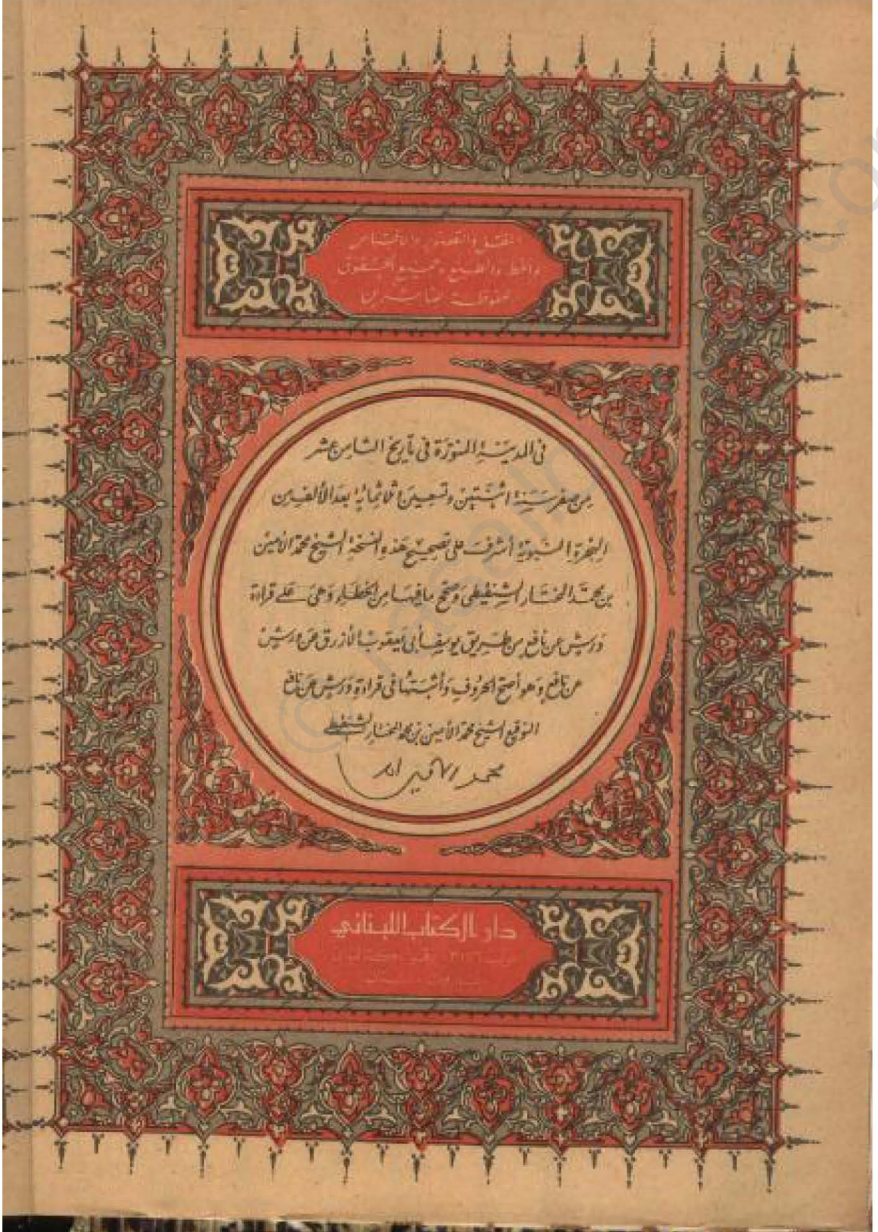
وزارتہ الشؤون الدينية (الجزائر) کے زیر اہتمام روایت و دش عن نافع میں مطبوعہ مصحف کے صفحہ آخر کا عکس۔



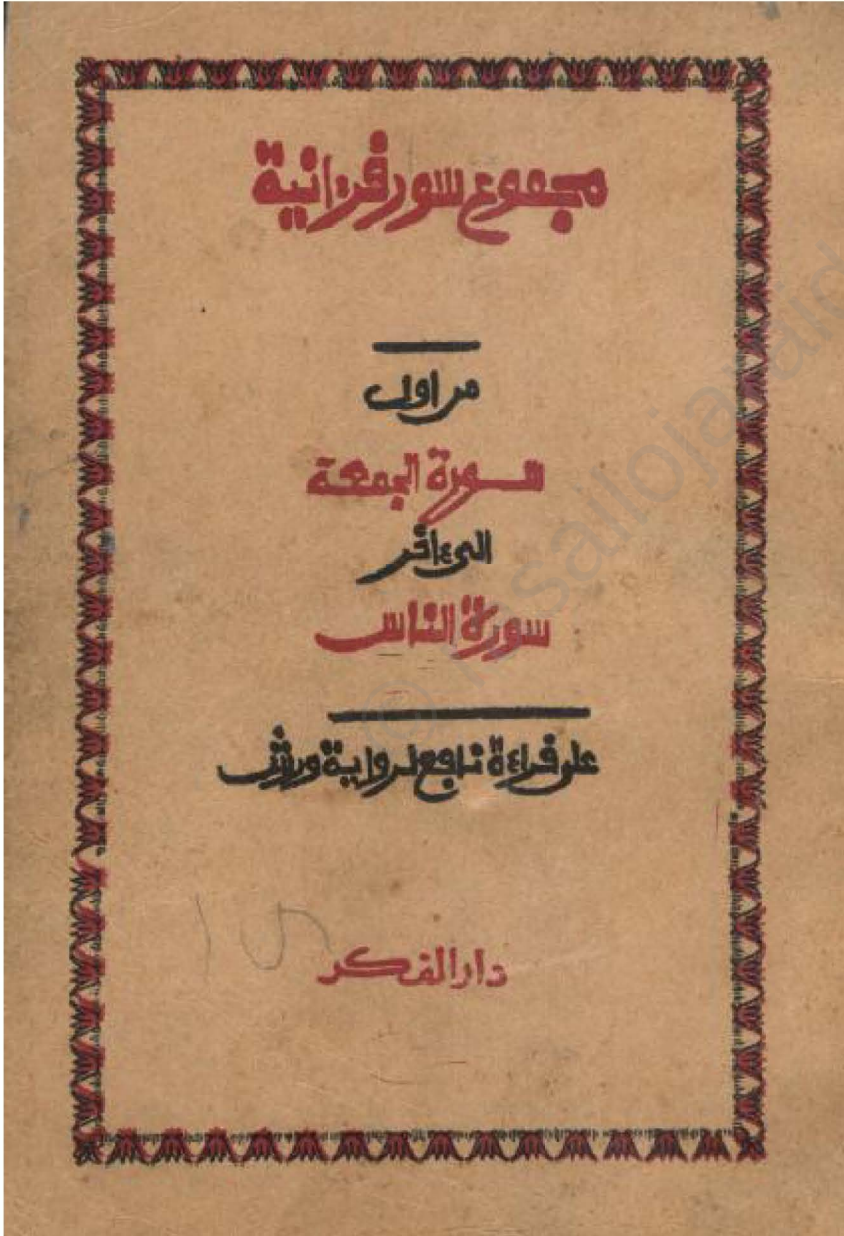
جمعية الدعوة الإسلامية العالمية (ليبيا) کے زیر اہتمام روایۃ قالون عن نافع میں مطبوعہ مصحف
کے صفحہ اول کا عکس۔



مؤسسات عبد الکریم بن عبد اللہ (تیونس) کے زیر اہتمام روایت قالون عن نافع میں مطبوعہ مصحف کے صفحہ اول کا عکس۔



دار الكتب اللبنانی (لبنان) کے زیر اہتمام روایت ورش عن نافع میں مطبوعہ مصحف کے صفحہ اول کا عکس۔



دار الفکر () کے زیر اہتمام روایت ورش عن نافع میں مطبوعہ مصحف کے صفحہ اوّل کا عکس۔





مطبعة المنار (تیونس) کے زیر اہتمام روایت ورش عن نافع میں مطبوعہ مصحف کے صفحہ اول کا عکس۔

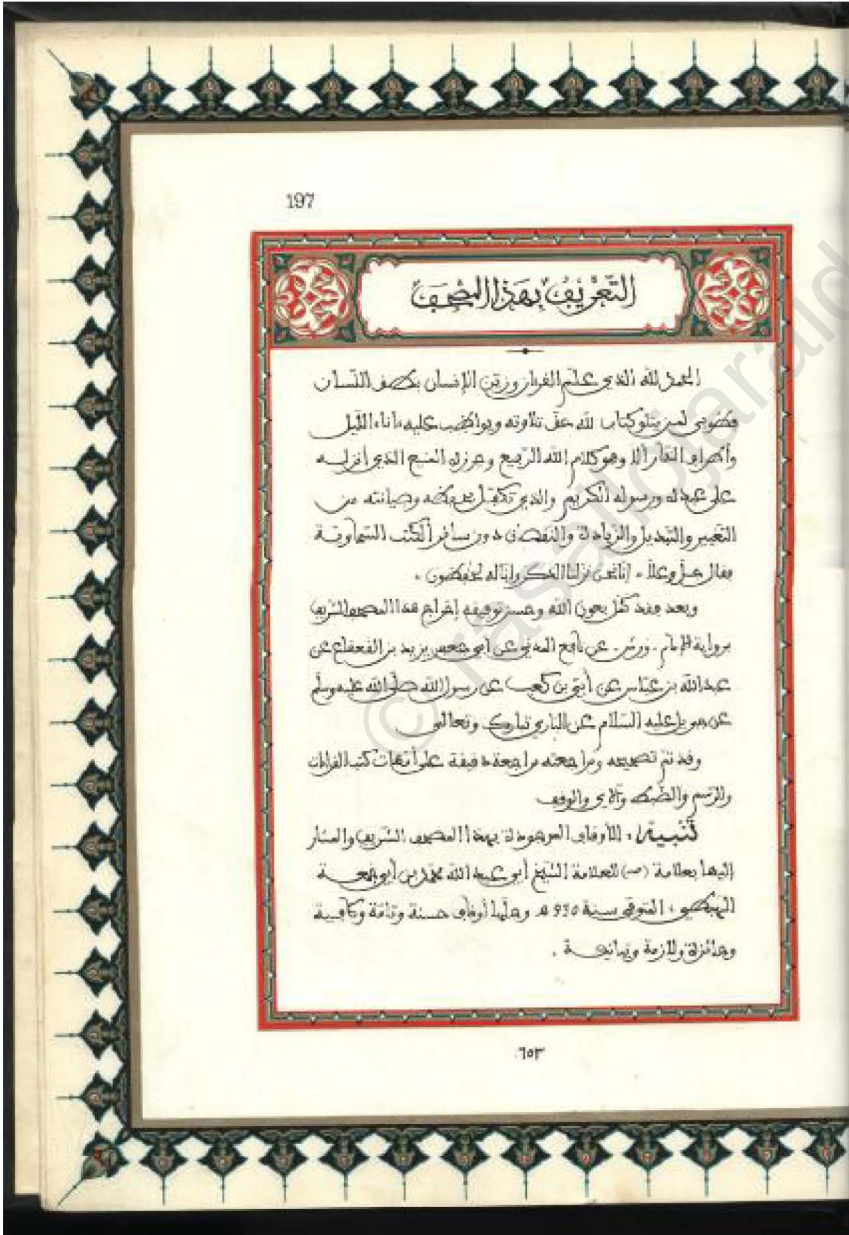
تعریف یہاں المصنف الشریف

زبان بن العلاء المازنی البصری الملقب بثلاثة هجرات
بأسانيده عن علي وعثمان وأبي موسى الأشعري ومروان
الخطاب وأبي بن كعب وزيد بن ثابت رضي الله عنهم
كلهم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم.

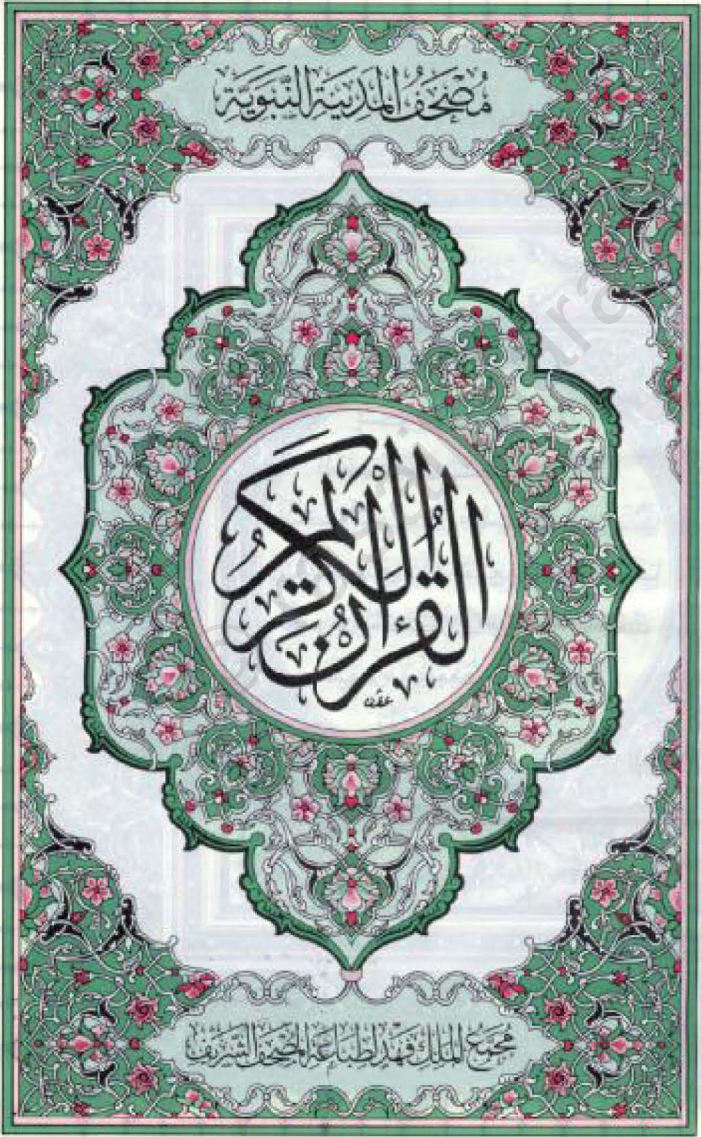
وكانت روايته الدورى عن أبي عمرو البصري
يذاوها الناس من المصاحف الخطية ولم تطبع فيها عام.
وقد جرت محاولات متعددة لطبع هذه الرواية
تولها أفاضل من العلماء المصريين والسودانيين.
وقد اهتم بطبع المصنف الكبير على هذه الرواية
وزارة الشؤون الدينية والأوقاف السودانية فألف
وزيرها الفاضل السيد الدكتور عون الشريف قاسم
الجنة الحالية لإخراج هذه الطبعة وحسنها
ذلك استجابة لتوجيه السيد الرئيس القائد
جعفر محمد نمير رئيس جمهورية السودان
الديمقراطية واهتمامه البالغ لإخراج هذا النص الكريم.

(ب)

وزارة الشؤون الدينية والأوقاف (سوڈان) کے زیر اہتمام روایت دوری عن ابی عمرو بصری
میں مطبوعہ مصنف کے صفحہ آخر کا عکس۔



روایت ورش عن نافع میں مطبوعہ مصحف کے صفحہ آخر کا عکس۔



مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف (سعودی عرب) کے زیر اہتمام روایت حفص
عن عاصم میں مطبوعہ مصحف کے صفحہ اول کا عکس۔

التعريف بالمصحف

الشيخ محمد بن خواروف

شیخ المقرئ بالله والایمان محمد کرم راجح

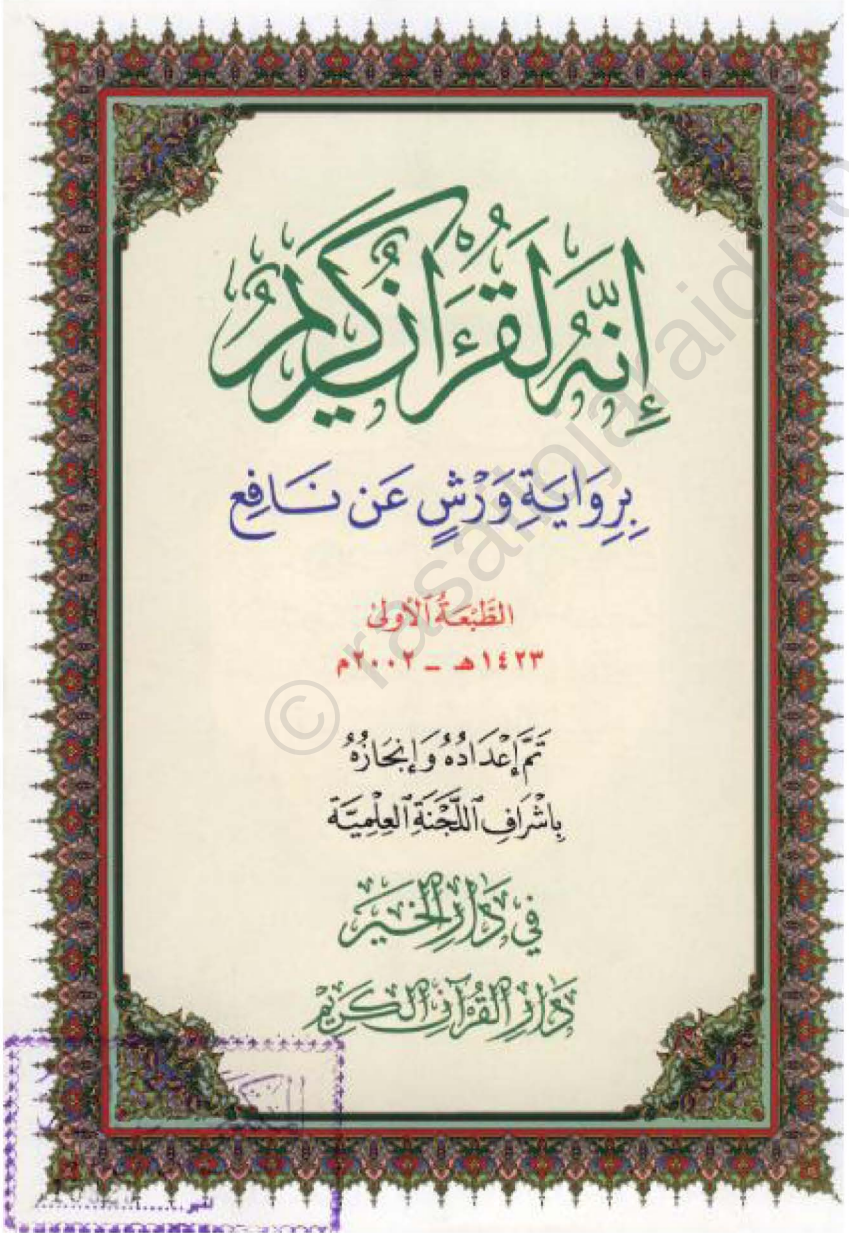


الحمد لله الذي جعل القرآن
مكتوباً

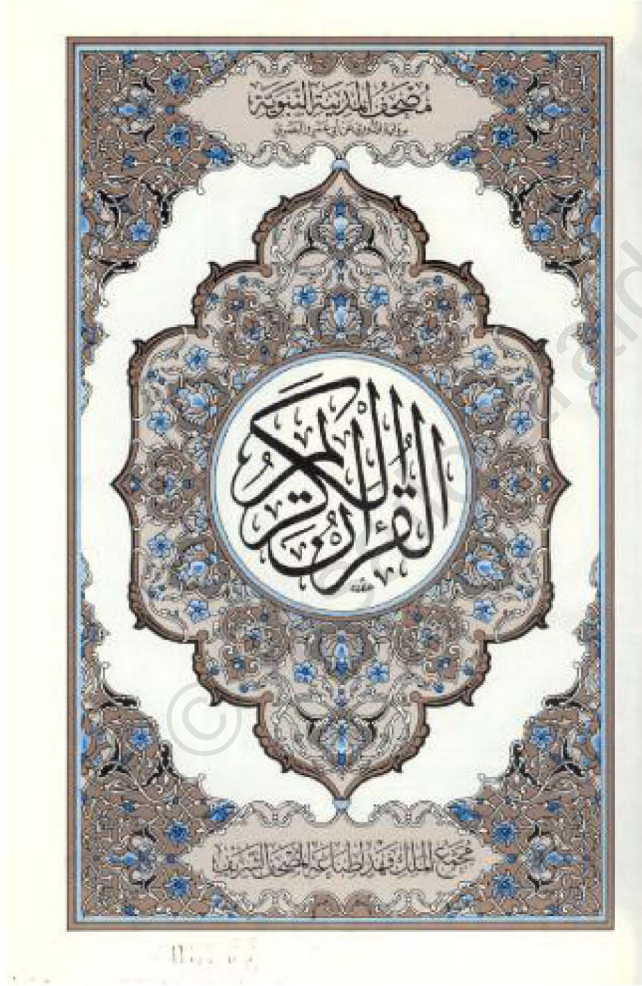
۹۹۔ اے رسول خدا! ان سے کہو

15932.....

230

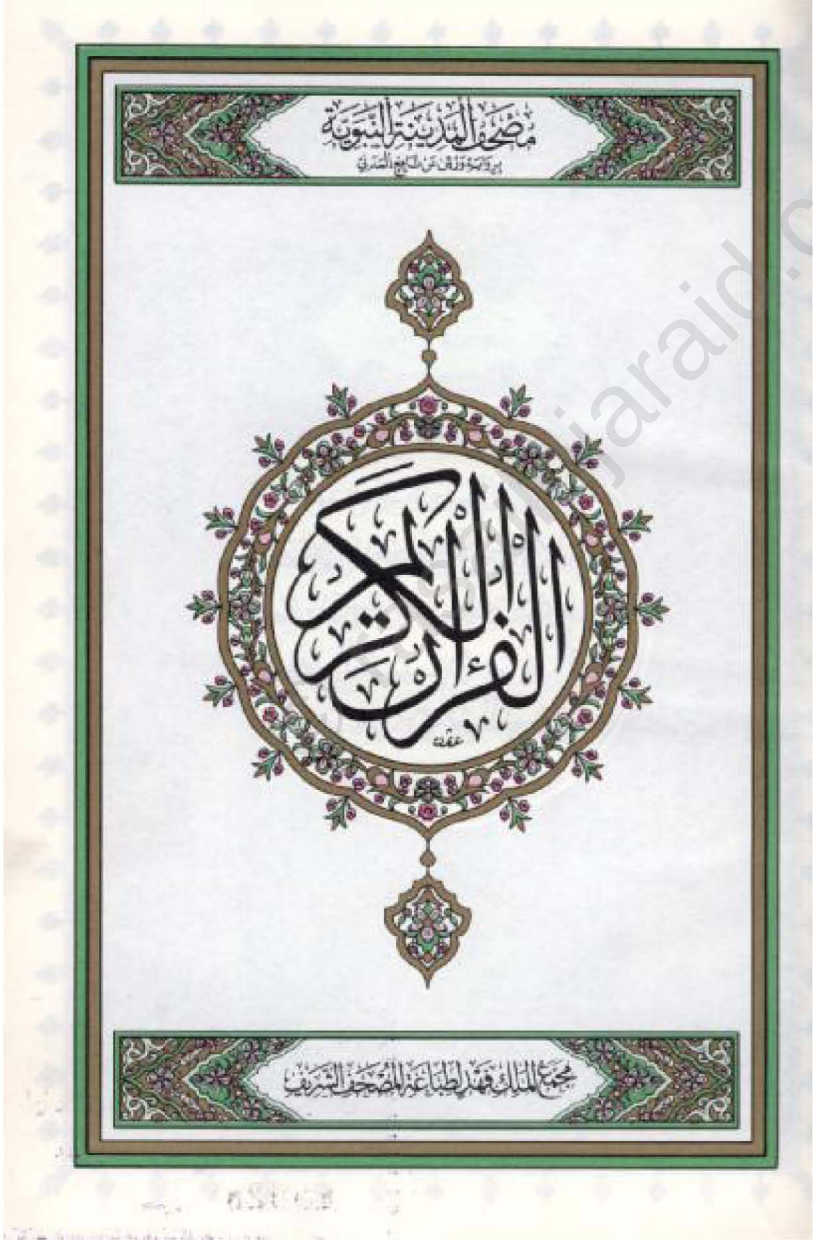


دار الخیر (سوریا) کے زیر اہتمام روایت ورش عن نافع میں مطبوعہ مصحف کے صفحہ اول کا عکس۔

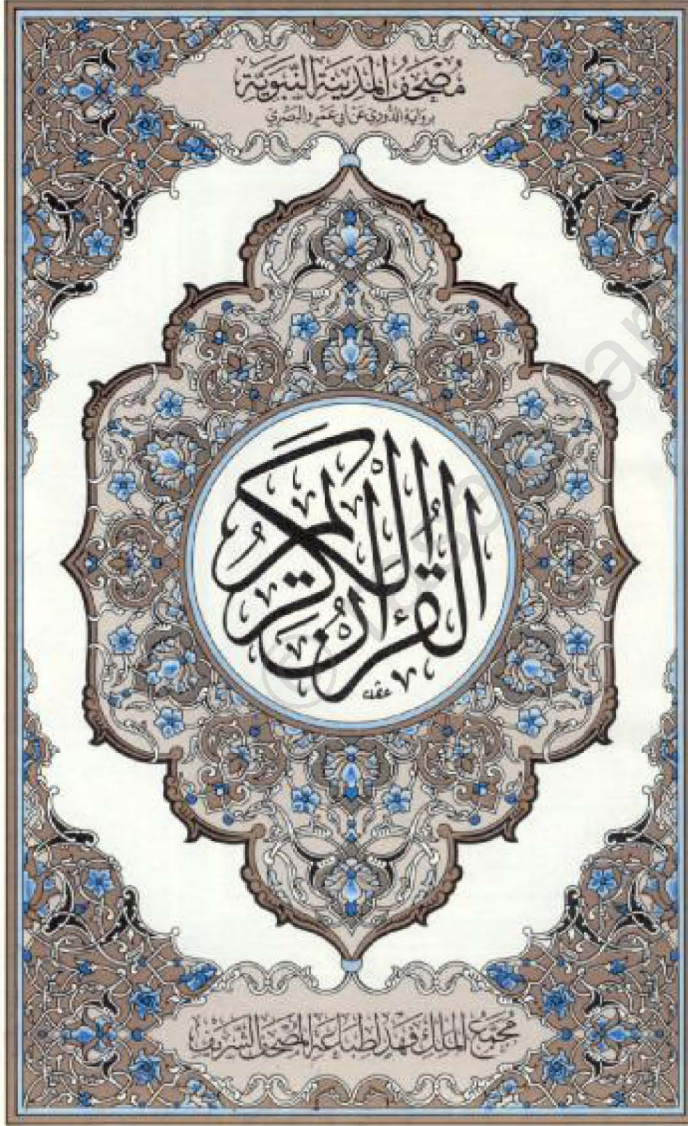


مروّجہ

مکتبہ دارالسلام (پاکستان) کے زیر اہتمام روایت حفص عن عاصم میں مطبوعہ مصحف کے صفحہ اول کا عکس۔



مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف (سعودی عرب) کے زیر اہتمام روایت ورش عن
نافع میں مطبوعہ مصحف کے صفحہ اول کا عکس۔



مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف (سعودی عرب) ہی کے زیر اہتمام روایت دوری
عن ابی عمرو و بصری میں مطبوعہ مصحف کے صفحہ اول کا عکس۔



مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف (سعودی عرب) ہی کے زیر اہتمام روایت قالون
عن نافع میں مطبوعہ مصحف کے صفحہ اول کا عکس۔



جميع حقوق الطبع محفوظة
لدار التونسية للنشر
جمادی الثانیة ۱۴۰۱ھ، ۱۹۸۱ میل ھ

الدار التونسية للنشر (تونس) کے زیر اہتمام روایت قالون عن نافع میں مطبوعہ مصحف کے صفحہ اول کا عکس۔

تاریخ علم تجوید و قرأت 159

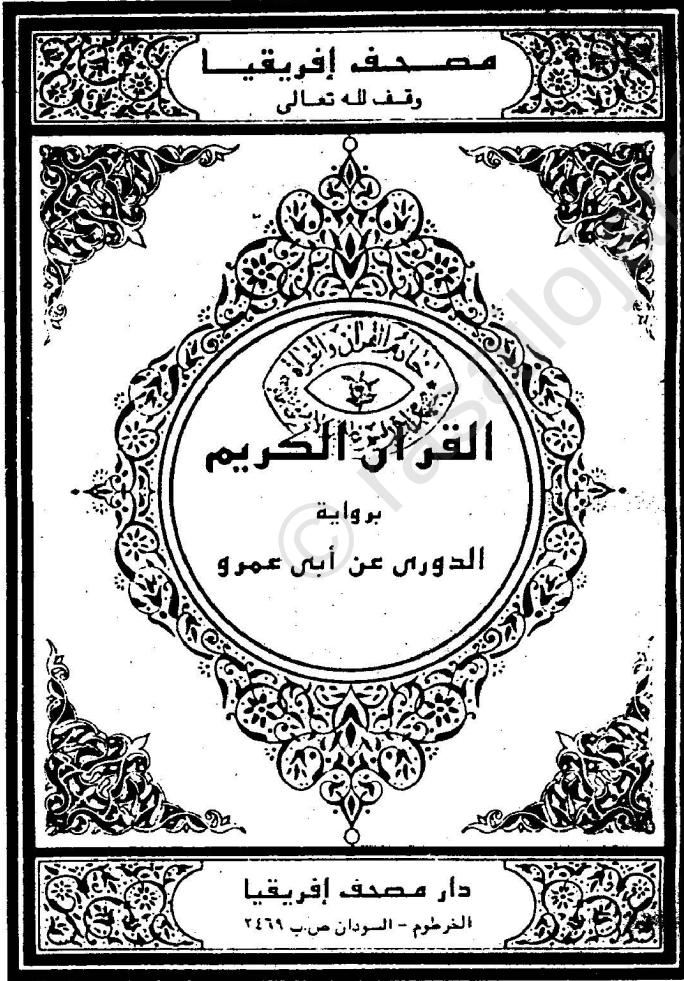
خُرَازْکَرِیْمُ

بروایتہ الامام ورش

مکتبۃ الرشاد

مکتبہ الرشاد () کے زیر اہتمام روایت ورش عن نافع میں مطبوعہ مصحف کے صفحہ اول کا عکس۔

تاریخ علم تجوید و قراءات 161



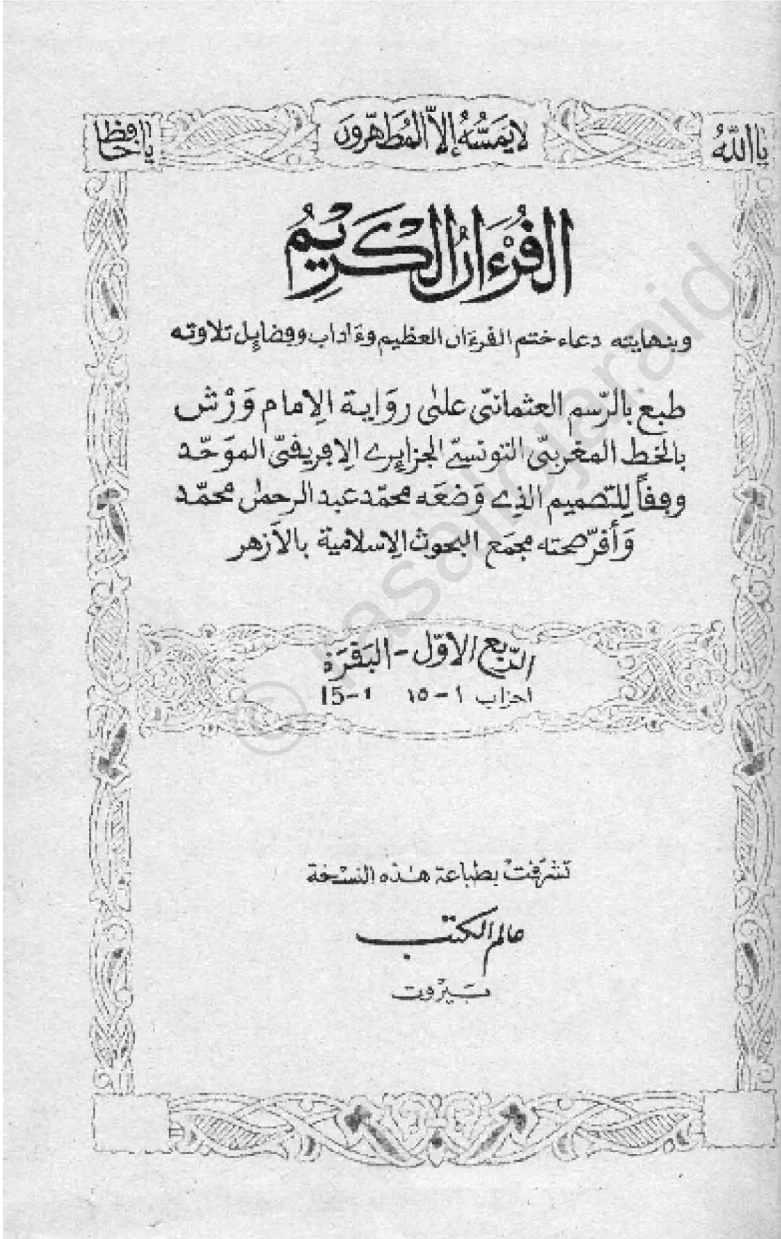
دار مصحف افریقیا (سوڈان) کے زیر اہتمام روایت دوری عن ابی عمرو بصری میں مطبوعہ مصحف کے صفحہ اول کا عکس۔



مؤسسة الحسن الثاني (مراكش) کے زیر اہتمام روایت ورش عن نافع میں مطبوعہ مصحف کے صفحہ اول کا عکس۔



جمعية الدعوة الإسلامية (ليبيا) کے زیر اہتمام روایت قالون عن نافع میں مطبوعہ مصحف کے صفحہ اول کا عکس۔



مکتبہ عالم الکتب (بیروت) کے زیر اہتمام روایت ورش عن نافع میں مطبوعہ مصنف کے صفحہ اول کا عکس۔



روایت ورش عن نافع میں مطبوعہ مصحف کے صفحہ اول کا عکس۔

جس طرح روایت حفص عن عاصم قراءت متواترہ اور قرآن ہے، بعینہ اسی
مداولہ بھی قراءت متواترہ اور قرآن ہیں اور ان کے قرآن ہونے میں
جب ہے کہ وہ ان تمام قراءت متواترہ پر ایمان لائے اور ان کو قرآن تسلیم
مبتلا نہ ہو، کیونکہ قراءت قرآنیہ کے بارے میں شک و شبہ کا اظہار کرنا یا
اسلام سے خارج کر دینے والا عمل ہے۔ نیز سب سے اہم میں سے کسی آ
ہے۔ منکرین قراءت کی گمراہی اور ضلالت پر دلالت کرنے والے متعدد

باتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أحرف، على أي حرف قرأتم فقد أصبتم، فلا تتماروا في
ح الباری: ۲۱/۹، مسند احمد: ۲۰۴/۴، ۲۰۵»

پر نازل کیا گیا ہے، جس حرف کے مطابق بھی پڑھو گے درستی کو پالو گے، قرآن
ا کرنا کفر ہے۔“

ی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أحرف و المراء في القرآن كفر» [مجمع الزوائد: ۱۵۱/۷، ۱۵۳]
نازل کیا گیا ہے، اور اس میں جھگڑنا کفر ہے۔“

سے منقول ہے، فرماتے ہیں:

«فقد كفر به كله»

۵۳/۱، الابحاث في القراءات: ص ۱۸، النکت الانتصار للباقلانی: ۳۶۳
کیا اس نے پورے قرآن کا انکار کیا۔“

۷:

الله وعاب شيئاً من القرآن أو أنكر كلمة أو قراءة متواترة أو ز
بم كفر، إذ كان كونه من القرآن مجمعاً عليه“ [الفقه الأكبر:
ا کسی آیت کا انکار کیا، اس میں عیب نکالا، یا کسی کلمہ یا قراءت متواترہ کا انکار کیا،

حافظ حمزہ مدنی

قسط اول

تعارف علم قراءات اہم سوالات و جوابات

زیر نظر مضمون قاری محمد ابراہیم میر محمدی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید، مدیر کلبۃ القرآن الکریم، جامعہ لاہور الاسلامیہ اور مجلس التحقیق الاسلامی کے انچارج ڈاکٹر قاری حمزہ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ان علمی نگارشات پر مشتمل ہے، جو متعدد نشستوں میں طلبہ و فضلاء کلبۃ القرآن الکریم کی طرف سے اٹھائے گئے سوالات و شبہات کا علمی جواب ہے۔ قاری صاحب کو جہاں اللہ تعالیٰ نے خوش الحانی کی دولت اور عالمی تعارف سے نوازا ہے، وہاں علم تجوید و قراءات کی علمی مباحث کے ساتھ ساتھ دینی علوم کی اساسات اصول الدین (عقیدہ)، اصول فقہ، اصول حدیث اور اصول تفسیر کے فنی مباحث کا بھی اعلیٰ ذوق و دہایت فرمایا ہے۔ یاد رہے کہ مضمون ہذا فضلاء قراءات کے صرف علمی شبہات کے جوابات پر مشتمل ہے، چنانچہ اس میں عام سوالات کے بجائے صرف اچھے ہوئے فنی مسائل ہی پر بحث پیش کی جائے گی۔ [ادارہ]

سوال نمبر ۱: اختلاف قراءات کا شرعی مقام کیا ہے اور کیا قرآن کریم میں ثبوت قراءات کی کوئی بنیاد موجود ہے؟

جواب: بنیادی بات جو ہر مسلمان کے پیش نظر رہنی چاہئے اور جو اسلام کا بنیادی تقاضا ہے، وہ وحی کی پابندی ہے۔ جو مسلمان وحی کو نہیں مانتا وہ گویا وحی بھیجنے والی ہستی یعنی اللہ کو نہیں مانتا اور جو اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے وہ یہ بھی ضرور مانے گا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو بلا مقصد پیدا نہیں فرمایا، بلکہ کسی مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس مقصد کے بیان کی اب دو ہی شکلیں ہو سکتی ہیں: ایک یہ کہ خالق خود آکر مخلوق کو مقصد تخلیق بتائے، دوسرا یہ کہ وہ کسی کو نمائندہ بنا کر بھیج دے۔ ہر دو صورت میں اس نے جو بات کہنی ہے وہ اس کا مطالبہ کہلائے گا۔ اللہ رب العزت اگر اپنا مطالبہ براہ راست بیان کرنے کے بجائے کسی واسطہ سے مخلوق سے کریں تو عموماً وحی اس کو کہا جاتا ہے اور یہ بات متعین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بات وحی میں اگر ایک بات آجائے تو مسلمان کو اس سے بہر حال انکار نہیں ہو سکتا۔ بنیادی بات ہے کہ ثابت شدہ وحی میں اگر ایک بات آجائے تو مسلمان کو اس سے بہر حال انکار نہیں ہو سکتا۔

وحی کے دو ماخذ ہیں: قرآن اور سنت۔ دونوں قسموں کی وحی کی بنیاد رسول ہوتا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر ایک بات ثابت ہو جائے تو کسی شے کے شرعی ہونے کے لیے یہی کافی ہے، اگرچہ وہ قرآن کریم میں بظاہر بیان نہ بھی ہوئی ہو۔ اس کے باوجود ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ثبوت قراءات کا مسئلہ دونوں قسموں کی وحی سے ثابت ہے۔

قرآن مجید میں قراءات کی حقیقت کے بارے میں جو بحث موجود ہے، میرے مطابق وہ قرآن مجید کی ان آیات میں ہے، جن میں امت کے ساتھ آسانی اور مشقت کے خاتمے کی بات کی گئی ہے۔ ایسی آیات کافی ساری ہیں۔ چند آیات یوں ہیں، فرمایا: ﴿وَمَا جَعَلْ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ [الحج: ۷۸] اور ﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمْ

☆ مدیر کلبۃ القرآن الکریم، جامعہ لاہور الاسلامیہ و انچارج مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

244

— جمادی الآخرة ۱۴۳۷ھ —

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

الْبَيْسُ» [البقرة: ۱۸۵] اور اس طرح کی دیگر آیات۔ اب دین میں 'یسر' کے حوالے سے اور مشقت کے خاتمے کے سلسلہ میں بے شمار قسم کے احکامات موجود ہیں، وہ سارے 'یسر' ہی کی تشریحات کے ذیل میں آتے ہیں۔ اس پہلو سے دیکھیں تو ہمارے کاروبار میں 'یسر' کی رعایت کی گئی ہے، ہمارے معاملات میں 'یسر' کی سہولت ہے، نکاح و بیاہ کے معاملات میں 'یسر' کو مد نظر رکھا گیا ہے، تمام امور دین میں 'یسر' کی بحث موجود ہے۔ اسی طرح ہمارے دین کے اندر اگر کوئی چیز پڑھنے سے متعلق ہے اس میں بھی 'یسر' ہے۔ دین کا کوئی ایسا عضو نہیں ہے جس میں 'یسر' نہ ہو۔ تلاوت قرآن بھی دین کا ایک حصہ ہے، لہذا اس میں بھی 'یسر' کا پہلو ملحوظ رہنا چاہئے۔ اس پہلو سے اگرچہ متن قرآن میں بظاہر قراءات کا وجود موجود نہیں ہے، لیکن 'یسر' کے عومات کے تحت لازماً موجود ہے۔ اس کو آپ یوں سمجھ سکتے ہیں کہ جیسے اَقِمُوا الصَّلَاةَ میں 'صلوٰۃ' کے عموم میں صلوٰۃ (دعا) کے ہر قسم کے افراد داخل ہیں۔ صلوٰۃ (دعا) کی ہزاروں شکلیں ہو سکتی ہیں، آپ لیٹ کر بھی دعا کرتے ہیں، بیٹھ کر بھی دعا کرتے ہیں، کھڑے ہو کر بھی دعا کرتے ہیں، اسی طرح دس منٹ کھڑے ہو کر دعا کرنا، دو منٹ کھڑے ہو کر دعا کرنا، کوٹ و جندہ میں دعا کرنا، تشہد میں دعا کرنا وغیرہ یہ سارے دعا کے ہی افراد ہیں۔ شرعی صلوٰۃ کی جو بھی کیفیت ہو، وہ بھی دعائی ہے، چنانچہ ﴿اَقِمُوا الصَّلَاةَ﴾ [الانعام: ۷۲] سے مراد اللہ تعالیٰ کی مخصوص قسم کی صلوٰۃ ہے جس کا ذکر کتب حدیث میں کتاب الصلوٰۃ کے ضمن میں ملتا ہے۔ صلوٰۃ کا سنت سے کوئی ایسا معنی متعین کرنا جو بظاہر قرآن کی عبارت سے سامنے نہ آ رہا ہو، تو وہ معنی چونکہ قرآن ہی سے اخذ شدہ ہوگا، کیونکہ بقول امام شافعیؒ آپ ﷺ نے کچھ بیان کیا ہے وہ قرآن مجید ہی سے اخذ کر کے بیان فرمایا ہے، چنانچہ اسے خارج از قرآن قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اگر اللہ کے رسول ﷺ ﴿اَقِمُوا الصَّلَاةَ﴾ [الانعام: ۷۲] کہہ کر دعا کا کوئی فرد متعین کر دیں (جیسا کہ ربوہ اور دیگر مکررین حدیث بھی صلوٰۃ کا کوئی معنی اس کے عومات میں سے متعین کرتے ہیں) تو وہ قرآن کے خلاف نہیں ہوگا۔ اس پہلو سے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ﴾ [البقرة: ۱۸۵] کہہ کر اللہ کے رسول ﷺ نے اگر 'یسر' کا کوئی عملی نظام ہمیں دیا ہے تو وہ قرآن مجید سے خارج نہیں ہے۔ جیسے اللہ کے رسول ﷺ کی بتائی ہوئی نماز ﴿اَقِمُوا الصَّلَاةَ﴾ [الانعام: ۷۲] کے اندر داخل ہے، اسی طرح یسر کے ذیل میں رسول اللہ نے جو قراءتیں ذکر فرمائی ہیں وہ بھی عومات قرآن میں ہی داخل ہیں۔ میرے خیال میں بحث کا ارتکاز اس نکتہ پر رہنا چاہیے کہ سنت کا کوئی حکم قرآن سے باہر نہیں ہے۔ اگر سنت کا کوئی حکم قرآن سے باہر نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ قراءات کے بارے میں وارد شدہ آپ کا فرمان «أَنْزَلَ الْقُرْآنَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ» [صحيح البخاري: ۲۴۹۹۲] بھی قرآن مجید ہی میں کسی آیت کے عموم میں موجود ہے۔ میری ناقص رائے کے مطابق وہ ﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ﴾ [الانعام: ۷۲] کے عموم میں داخل ہے، جیسے نماز کا یہ نظام اَقِمُوا الصَّلَاةَ کے عموم میں نظر آتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مجھ سے پوچھے کہ إسمال الازار (ٹخنوں سے نیچے شلوار لگانا) کی ممانعت قرآن میں کہاں وارد ہوئی ہے؟ تو میں اسے کہوں گا کہ قرآن مجید میں تکبر کی ممانعت کی گئی ہے اور إسمال الازار بھی تکبر کے قبیل سے ہے۔ لغوی اعتبار سے تکبر کے متعدد افراد ہو سکتے تھے، اس کا ایک فرد اللہ کے رسول ﷺ نے متعین کر دیا ہے۔ تو رسول

اللہ کا ارشاد «من جر ثوبه خيلاء لا ينظر الله إليه يوم القيامة» [صحیح البخاری: ۵۳۳۸] قرآن مجید کی تکبیر والی آیات کی تشریح و تبیین کے ضمن میں وارد ہوا ہے۔ چنانچہ یہ حکم بھی قرآن کریم سے خارج نہ ہوا، بلکہ اس کے عموم میں داخل ہے۔

ان تمام باتوں سے قطع نظر اگر قراءات صرف صحیح حدیثوں سے ثابت ہو جائیں، تو چونکہ حدیث بھی مثل قرآن وحی ہے، چنانچہ تعدد قراءات کے شرعی استناد کے لیے صرف یہی کافی ہے۔ «أنزل القرآن على سبعة أحرف» [صحیح البخاری: ۳۹۹۲] اور اس قسم کی دیگر حدیثیں بتاتیں ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت میں متنوع آسائیب تلاوت موجود ہیں۔ یہاں اتنا ذکر کر کے بات ختم کرتے ہیں کہ جب میں نے قراءات کے بارے میں روایات کے حوالے سے تحقیق کی تو قراءات کے بارے میں کمپیوٹر پر صرف ایک دفعہ کلک کرنے سے ساڑھے سات سو روایات سامنے آ گئیں۔ جس مسئلے کے بارے میں ایک سچی جائزے میں کم از کم ساڑھے سات سو روایات سامنے آ گئیں تو اس مسئلہ کے شرعی ہونے کے بارے میں دورائے کیسے ہو سکتی ہیں؟

سوال نمبر ۶: قرآن تمام زبانوں اور تمام اقوام کے لیے ہدایت ہے، تو قراءتوں میں صرف اہل عرب کی رعایت کیوں؟

جواب: یہ بات اصولی طور پر ٹھیک ہے کہ دین کی آسانیاں قیامت تک کے لوگوں کو سامنے رکھ کر دی گئی ہیں، لیکن جو آسانی قراءات (پڑھنے) سے متعلق ہے، وہ عربوں کے ساتھ مخصوص اس لئے ہے کیونکہ قرآن مجید کی تلاوت فارسی، اردو یا انگریزی وغیرہ میں نہیں ہو سکتی، لہذا تلاوت میں اقوام عالم کے بجائے اہل عرب کی لسانی مشکلات کی رعایت رکھی گئی ہے۔

تمام اقوام عالم کی زبانوں کا ایک عالمی قاعدہ ہے کہ ہر ۳۰ میل بعد زبان کا لہجہ بدل جاتا ہے اور اسی طرح بسا اوقات لہجہ کے ساتھ ساتھ ایک بڑی لغت میں متعدد چھوٹی چھوٹی لغات معرض وجود میں آ جاتی ہیں۔ یہ ارتقاء تقریباً ہر زبان میں موجود ہے، مثلاً اردو زبان لے لیں یا پنجابی، فارسی لے لیں یا عربی، ہر زبان میں ۳۰ میل بعد لہجہ بدل جاتا ہے۔ اور اس حقیقت کا کوئی آدمی انکار نہیں کر سکتا۔ ابتداءً نزول قرآن لغت قریش میں ہوا تھا، دیگر زبانوں کی طرح اس وقت عربی زبان بولنے والوں کی مشکل بھی یہی تھی کہ جس طرح آج کی عربی جدید میں ہر ۳۰ میل بعد عربوں کے لہجہ بدلتے ہیں اُس دور میں بھی بدلتے تھے۔

الغرض عربی زبان ہی کے حوالے سے لوگوں کو یہ مشکل پیدا ہوئی تھی اور یہ مشکل تا قیامت اہل عرب کے لیے ہی باقی ہے۔ اب میرے اور آپ جیسے لوگوں کے لیے تو عربی کا کوئی بھی لہجہ ہو تو وہ ہم نے غیر فطری طور پر ہی سیکھنا ہے۔ اگر عرب شروع سے ہمزہ قطعی میں تسہیل کرتے ہوتے، تو ہم بھی تسہیل سیکھ لیتے، اور اگر وہ شروع میں امالہ صغریٰ کرتے تو ہم بھی امالہ ہی سیکھتے، چنانچہ ہمارے لیے تو کوئی لہجہ بھی مشکل یا آسان نہیں ہے، بلکہ تمام لہجے برابر ہیں۔

سوال نمبر ۷: شریعت میں آسانی جب بھی دی گئی ہے تو اشیاء میں کمی کر کے دی گئی ہے، جبکہ قراءتوں کے باب میں اضافہ کر کے آسانی کیسے ہو سکتی ہے۔ اس سے تو بظاہر مزید مشکل پیدا ہوئی ہے؟

جواب: اس کی دلیل کیا ہے کہ آسانی کسی چیز میں کمی کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ دین میں جن مسائل میں آسانی کی

کر کے دی گئی ہے وہاں آسانی اسی طرح سے ہو سکتی تھی، مثلاً مسافر کے لیے نماز کو قصر کر دیا، لیکن جہاں کی کرنے سے مشکل پیدا ہوتی تھی وہاں آسانی زیادتی کر کے پیدا کی گئی ہے، مثلاً قرآن مختصر تھا اس کی توضیح کی ضرورت تھی تو آسانی کی خاطر اس کا تفصیلی بیان بھی وحی کی صورت میں بصورت سنت مزید اتار دیا گیا، حالانکہ آسانی تو یہ تھی کہ قرآن کو اس سے بھی مختصر کر دیا جاتا۔ علم بلاغت میں بحث ہے کہ کلام میں اختصار اور تفصیل مخاطب کے لحاظ سے کی جاتی ہے، بسا اوقات مختصر کلام بلیغ ہوتا ہے اور بسا اوقات تفصیل کے ساتھ بیان بلیغ ہوتا ہے۔

اہل عرب کا مسئلہ یہ تھا کہ ان کے لیے ایک ہی لہجہ میں پڑھنا مشکل تھا اور ان کی آسانی یہ تھی کہ وہ مزید اجازت چاہتے تھے کہ دیگر لہجوں میں پڑھنے کی گنجائش دی جائے، چنانچہ آنحضور ﷺ نے دعائیں کر کر کے ان لہجوں کی اجازت طلب فرمائی تو قرآن کریم سات لغات میں اتر آیا۔ آسانی کے سلسلہ میں کمی و زیادتی کا تعین نوعیت معاملہ کو دیکھ کر ہوگا کہ جہاں آسانی زیادتی کرنے میں ہو وہاں آسانی زیادتی کر کے دی جائے گی اور جہاں آسانی کمی کرنے میں ہو وہاں کم کر کے دی جائے گی۔

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے آسانی کی غرض سے قرآن مجید کو ایک سے زائد حرفوں پر پڑھنے کی اجازت مانگ رہے ہیں، جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا: ”إِنْ أُمِّتِي لَا تَطْلِقُ ذَلِكَ“ [صحیح مسلم: ۸۲۱] ”میری امت ایک حرف پر پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی۔“

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قراءات نازل نہ ہوتیں تو آسانی دینی تھی۔ اصل میں مغالطہ اس لیے پیدا ہوا ہے کہ ہم نے عرب اور غیر عرب کو سامنے رکھا ہوا ہے۔ غیر عرب کے لیے تو ایک ہی حرف کافی تھا۔ یہاں اصل میں بات اہل عرب کی ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس پہلو سے عرب کو اہمیت دی گئی ہے کہ قرآن ان کی زبان میں اترتا ہے۔ اب جو عربی سے متعلقہ پیچیدگیاں ہیں ان میں تو اہل عرب کی رعایت ہے، ہماری کوئی رعایت نہیں۔ اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض خاص افراد کے اعتبار سے خاص لحاظ رکھ لیے جاتے ہیں، اور ان کو سہولت دے دی جاتی ہے، مثلاً جب بیماروں کی بات آئے گی تو اس وقت بیماروں کے طبقے کو سہولت دی جائے گی، یہ تو نہیں کہ ہر ایک مکلف کو سہولت مل جائے، جو بیمار ہوگا اسے ہی سہولت ملے گی۔

اگر آپ یہ کہیں کہ آسانی ایسی ہونی چاہئے جو جمیع طبقات کو شامل ہو تو کچھ آسانیاں ایسی بھی ہیں جو جمیع طبقات کو شامل ہیں۔ جبکہ کچھ آسانیاں ایسی ہیں جو جمیع طبقات کے بجائے مختلف طبقات کی مشکلات کے لحاظ سے منقسم ہیں۔ آنحضرت اہل عرب کے لیے آسانی اسی میں ہے کہ ان کو متعدد و متنوع لہجوں میں پڑھنے کی اجازت دی جائے اور ہمارے لیے یہ گنجائش ہے کہ ہم کوئی ایک حرف پڑھ لیا کریں، ہمیں کون سا پابند کیا گیا ہے کہ ہم ساری ہی قراءات پڑھیں۔ اگر آپ ایک حرف و لہجہ بھی پڑھ لیں تو ”کلھن شافہ کاف“ [سنن النسائي: ۹۳۱] کے بمصداق تلاوت قرآن مجید کا حق ادا ہو گیا اور قرآن مجید کا اجر پورا مل گیا، نیز تلاوت کا مقصد بھی پورا ہو گیا۔

سوال نمبر ۱۵: قراءات سات نازل ہوئیں، جبکہ قراء کرام کے مطابق دس یا سترہ قراءات کیسے بن گئیں؟

جواب: قراءات سات نازل ہوئیں، اصطلاح قراء کی رو سے یہ جملہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اصطلاح قراء میں قراءات اپنی لغوی معنی میں مستعمل نہیں۔ یہ بڑا اہم نقطہ ہے اس پر غور کرنا چاہیے۔ جیسے لغت میں فقہ کا مطلب ہے گہری سمجھ بوجھ، لیکن اصطلاح فقہاء میں صرف گہری سمجھ بوجھ کو فقہ نہیں کہتے، بلکہ عمل سے متعلق احکامات شرعیہ کی گہری

سمجھ بوجھ کو فقہ کہتے ہیں۔ اگر قراءت اور قرآن کا فرق سمجھ لیا جائے تو سوال اور پیش کردہ اشکال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اصل سوال یہ ہے کہ قراءات اور قرآن میں کیا فرق ہے؟

قراء کے ہاں قراءات اور قرآن میں وہی فرق ہے جو محدثین کے ہاں حدیث اور سنت میں ہے۔ محدثین کے ہاں سنت کہتے ہیں قرآن کے علاوہ منزل من اللہ وحی کو، جو کہ امت کو آپ سے اقوال، اعمال اور تقریرات کی صورت میں ملی ہے، جبکہ حدیث سنت کی خبر کو کہتے ہیں، جو صحابہ بیان کرتے ہیں۔ اسی لیے محدثین نے حدیث کی تعریف یوں کی ہے: هو ما أضيف إلى رسول الله "حدیث وہ شے ہے جو رسول اللہ کی طرف منسوب کی جائے" اس سنت کو بطور خبر بیان کرنے والا صحابی ہوتا ہے اور جس چیز کو وہ آگے بیان کرے گا وہ سنت ہوگی۔

ایک مثال سے بات کھولتے ہیں۔ رسول اللہ کا ارشاد ہے: «إنما الأعمال بالنیات» [بخاری: ۱۰] جس وقت آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا اس وقت یہ قولی سنت تھی، لیکن جب صحابہؓ نے اس کو آگے بیان کیا اس وقت یہ حدیث بن گئی۔ صحابہ کرام جس بات کو بیان کرتے ہیں، اور اللہ کے رسول ﷺ کی وہ چیز جس کو بیان کیا جا رہا ہے دو علیحدہ چیزیں نہیں ہوتیں۔ اس اعتبار سے محدثین کے ہاں سنت اور حدیث دونوں مترادف ہیں یعنی قریب المعنی ہیں۔ اسی طرح قرآن و قراءات میں فرق ہے۔ قرآن کہتے ہیں ان الفاظ وحی کو جو منزل من اللہ ہے اور قراءات اسی قرآن کی خبر کو کہتے ہیں، جب اس کو آگے روایت کیا جاتا ہے۔ اب «إنما الأعمال بالنیات»

[بخاری: ۱۰] رسول اللہ ﷺ کی ایک قولی سنت ہے، لیکن اس کی مرویات زیادہ ہو سکتی ہیں۔ بعض محدثین نے اس سنت کی روایات ۷۰۰ تک نقل کی ہیں۔ اسی لیے محدثین جب کہتے ہیں کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ ضعیف حدیثیں یاد ہیں تو اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اللہ کے رسولؐ کے ارشادات یا افعال یا تقریرات سے متعلق مجھے اتنی نصوص یاد ہیں، کیونکہ محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ نفس سنن یہ ۳۵، ۴۰ ہزار سے زیادہ نہیں ہیں، تو پھر یہ لاکھوں حدیثیں کیسے بن گئیں؟ دراصل یہ روایات کی زیادتی ہوئی ہے۔ اور یاد رہے کہ روایات کے زیادہ ہونے سے ثبوت روایت میں قوت زیادہ آتی ہے۔ جتنی روایتیں اور سندیں زیادہ ہوں گی اتنی ہی روایت میں قطعیت پیدا ہوگی۔ حتیٰ کہ اس ضمن میں اگر دو لاکھ ضعیف روایتیں بھی ہوں تو بھی متابعت اور شواہد میں کام دے جاتی ہیں، چنانچہ قوت بڑھانے میں ان کا بھی کردار ہوتا ہے۔ منکرین حدیث کی یہ بات فن حدیث سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ صحیح بخاری کا انتخاب تین لاکھ حدیثوں سے ہوا، اگر ان میں سے ایک لاکھ صحیح احادیث بھی شمار کریں، تو ساڑھے سات ہزار کا انتخاب یہ بتاتا ہے (جو کہ بارہواں یا تیرہواں حصہ بنتا ہے) کہ حدیث میں ۱۲، ۱۳ لاکھوں کا امکان ہوتا ہے اور صرف ایک حصہ امکان صحت کا ہوتا ہے۔ تو ہم جواب میں کہا کرتے ہیں کہ انہیں اتنا بھی نہیں علم کہ روایت اور سنت میں کیا فرق ہے؟

اسی طرح جو قرآن مجید آسمانوں سے اترا ہے وہ صرف سات لہجات میں اترا ہے۔ جیسا کہ آپ کا ارشاد گرامی ہے: «أنزل القرآن على سبعة أحرف» [بخاری: ۴۹۹۲] ان سات اسالیب کو آگے نقل کیا گیا تو آگے نقل کرنیوالے اگر ایک لاکھ تھے تو اب ایک لاکھ قراءتیں بنیں گی۔ واضح رہے کہ روایات کی اتنی کثرت دیکھ کر گھبرانے کے بجائے مطمئن ہونے کی ضرورت ہے، کیونکہ تواتر کے لیے روایات کی اتنی کثرت کم از کم ضرور

ہونی چاہئے، کیونکہ متواتر وہی ہوتا ہے، جسے عدد کثیر نقل کرے۔ المختصر اصطلاح قراء میں قراءات، روایت قرآن کو کہتے ہیں، جیسے حدیث روایت سنت کو کہتے ہیں، چنانچہ آپ اگر قراءات کی جگہ اخبار لگا دیں تب بھی لفظ صحیح ہے اور اگر قراءات کی جگہ روایات لگا دیں تب بھی لفظ صحیح ہے۔ ہم عام طور پر بولتے ہیں کہ قراءات متواترہ، اور خبر کی دو قسمیں ہیں: خبر متواتر اور خبر آحاد۔ تو اسی طرح قراءات کی بھی دو قسمیں ہیں: قراءات آحادہ اور قراءات متواترہ۔ اسی طرح شذوذ اور عدم شذوذ یہ سب خبر کی بحثیں ہیں اور قراءات بھی تو خبر ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قراء کے ہاں رائج ایک اور استعمال کے مطابق اگر وہ روایت امام کی ہو تو اس کو قراءات کہتے ہیں اور اگر وہی روایت امام کے شاگرد کی ہو تو اس کو روایت کہتے ہیں اور اگر امام کے شاگرد کے شاگرد کی ہو تو اس کو طریق کہتے ہیں۔ اب طریق ہو یا روایت ہو یا قراءات ہو تو تینوں میں خبر کا معنی موجود ہے، چنانچہ ہم معنی لفظ ہیں۔ اسی وجہ سے روایت حفص کو بسا اوقات قراءات حفص بھی کہہ دیتے ہیں اور امام نافع کی بات، اگرچہ قراءات نافع ہے، لیکن اس کے باوجود وہ روایت نافع ہے۔ اس پہلو سے قراءات سات نازل ہوئی ہیں اور رواہیں کرنے والے ہزاروں تھے۔ ان ہزاروں میں سے جو معروف لوگ ہوئے ہیں تو وہ دس ہیں یا دس کے آگے ان کے شاگردوں میں بیس ہیں اور پھر ان بیس کے آگے ان کے ۸۰ شاگرد ہیں۔ اب آپ ان کو ۸۰ قراءاتیں کہہ لیں تو سب سے احرف سے ان کا تضاد نہیں ہوگا، کیونکہ روایت اور مروی میں اس قسم کا فرق فطری ہے۔

سوال نمبر ۵: قرآن مجید میں سب سے احرف کا اختلاف آپ کے بقول روایات میں موجود ہے، سوال یہ ہے کہ یہ

اختلاف روایات میں کہاں موجود ہے؟

جواب: اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: «أُنزل القرآن على سبعة أحرف» [بخاری: ۴۹۹۲] مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم سات حروف پر اترا ہے اور ان میں سے کوئی ایک پڑھ لیں یا ساروں کو ملا کر پڑھ لیں سب طریقے کافی شافی ہیں، کیونکہ مقصد آسانی ہے۔ اسی لیے اس روایت کے بعض طرق میں مزید یوں ہے کہ: «فاقرء وا ما تیسر» کہ آپ کو جو آسان لگے پڑھ لیں، کیونکہ مقصد تیسیر ہے۔ اب تیسیر کا تقاضا یہ ہے کہ جس کو جو آسان لگتا ہے وہ پڑھ لے۔ اگر یوں کہا جاتا ہے کہ بندے کو صرف اتنی گنجائش ہے کہ سات میں سے وہ کسی ایک کو پڑھ لے تو یہ تیسیر کا کامل مفہوم نہ ہوتا، کمال تیسیر یہ ہے کہ پڑھنے والے کو ساتوں حروف میں سے ہر طرح سے پڑھنے کی اجازت دی جائے، برابر ہے کہ ساتوں میں سے کوئی ایک پڑھے یا ساتوں ہی میں سے کچھ یہاں سے اور کچھ وہاں سے اختیار کر کے پڑھے۔ فاقراء وا ما تیسر کے متعلق ہماری رائے یہی ہے کہ تیسیر کا مطلب یہ ہے کہ وہ ساتوں میں سے جو آسان سمجھتا ہے پڑھ لے یعنی ایک حرف یہاں سے آسان سمجھتا ہے یہاں سے پڑھ لے، دوسرا وہاں سے، تیسرا وہاں سے پڑھ لے۔ اس طرح قاری قرآن ایک نشست میں اس شکل پر اگر آدھا پارہ پڑھ لے تو قاری کی تلاوت تمام سب سے احرف سے اپنے اختیار کردہ ایک نئی ترتیب پر مشتمل ہوگی۔ اس طرح مختلف حروف کو ملا جا کر ایک نیا ترتیب تلاوت بنا لیا جائے تو بھی کوئی حرج کی بات نہیں، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: «فاقرء وا ما تیسر» [موطا: ۳۶۷]۔ یہ بات صرف ہماری تشریح نہیں بلکہ باقاعدہ روایات میں اس کی وضاحت بھی آئی ہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ کی الجامع الصحیح میں ہشام

۱۱

ابن حکیم بن حزام والی روایت میں یوں ذکر کرتا ہے کہ

”يقرأ سورة الفرقان على حروف كثيرة“ [بخاری: ۴۹۹۲]

”یعنی بشام بن حکیم کے پڑھنے کے اسلوب میں سب سے زیادہ حروف شامل تھے۔“

اس بات کی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ صحابہ اور تابعین نے تلاوت قرآن میں ان سات حروف کو آپس میں ملا جلا کر پڑھا۔ اس ملائے جانے سے مختلف افراد نے اپنے مختلف انداز تلاوت اختیار کر لیے۔ اب اگر آپ اس طرح کر کے اپنے اپنے ذوق کے موافق پڑھنا شروع کریں تو کتنے ہی سیٹ بن سکتے ہیں۔ اسی طرح بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سینکڑوں، ہزاروں، بلکہ لاکھوں اندازوں میں سب سے زیادہ حروف کی تلاوت کی۔ الغرض اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ سب سے زیادہ حروف میں یہ اختلاط ہوا ہے۔

معروف بات ہے کہ جب لوگوں کی ہمتیں کم ہو جاتی ہیں اور ممتاز لوگ تھوڑے ہو جاتے ہیں تو کم علم لوگ اساتذہ، اہل علم اور آئمہ پر اعتقاد کر کے ان کی طرف علوم کی نسبت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً آج ہم قراءات میں نسبت کرتے ہیں تو اپنے مشائخ قاری محمد ابراہیم میرٹھی، قاری ادیس العاصم اور قاری احمد میاں تھانوی کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ یہ نسبت اس لیے کرتے ہیں کہ ہم ان کو جلیل القدر سمجھتے ہیں، تو اسی طرح قراءات سمیت تمام علوم و فنون میں لوگوں کی ہمتیں جب کم ہو گئیں تو نئے اسالیب تلاوت کی روایت کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ تیج تابعین اور ان کے اتباع کے دور کی بات ہے۔ لوگوں نے عموماً اس کے بعد جرأت ہی نہیں کی کہ تلاوت قرآن میں نئے ترتیبات تلاوت تشکیل دیتے۔ نہ کوئی اپنے آپ کو اس قدر فائق سمجھتا تھا کہ ان آئمہ کے اندازوں کی طرح ایک نیا انداز بناتا، بلکہ ان کے اندازوں پر ہی تلاوت کرنے کو سعادت کا باعث سمجھا گیا۔ بعض اہل معرفت نے اگرچہ نئے انداز اختیار کیے بھی، لیکن امت میں آئمہ عشرہ کے علاوہ ان اہل علم کے اختیارات کو پذیرائی حاصل نہیں ہو سکی۔ اکثر کو تو محفوظ نہیں کیا گیا اور جو محفوظ کیے گئے وہ قبولیت عامہ حاصل نہیں کر سکے۔ تیرہ صدیوں سے امت کے علماء و عوام اب آئمہ عشرہ اور ان کے بیس رواۃ کی قراءات پر بالافتقار عمل کرتے چلے آ رہے ہیں۔ جب لوگوں میں اس قسم کا زمانہ آ جاتا ہے تو معروف بات ہے کہ مکاتب فکر اور مدارس فکر وجود میں آ جاتے ہیں، مثلاً کوفہ میں فقہ کا مدرسہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ مدرسہ کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ بلند نگ بنائی ہوئی ہے، بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک شخصیت کے گرد اکٹھا ہوا اور پھر وہی مرکز بن گیا۔ اس طرح سے قراءات میں بھی مدارس فکر وجود میں آ گئے۔ اُس وقت جو شخصیات اس سلسلہ میں نمایاں تھیں وہ دس تھیں۔ بعد میں لوگوں نے ان کے ساتھ ہی التزام کر لیا۔ پھر لوگوں نے انہیں کے طے شدہ اندازوں کو اختیار کر لیا جو اب امت میں آپ کے سامنے موجود ہیں۔ یہاں دس آئمہ ہیں، ان کے بھی اختیارات مختلف تھے اور ان کے شاگردوں نے بھی اختیارات میں فرق کیا تھا، لہذا شاگردوں میں دو، دو اختیار بن گئے یا اماموں نے دو دو طرح پڑھایا۔ اس کے بعد شاگردوں نے آگے پڑھایا تو چار چار شاگردوں کے اختیارات نیچے بن گئے یا معاملہ یوں تھا کہ اماموں نے آٹھ آٹھ اندازوں سے پڑھایا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ دس آئمہ، ان کے بیس تلامذہ اور پھر ان کے اسی شاگردوں کے اعتبار سے ۱۰ سیٹ (قراءات)، ۲۰ سیٹ (روایات) اور ۸۰ سیٹ (طرق)، جو قراءات عشرہ صغریٰ و کبریٰ کے نام سے موسوم ہیں وجود میں آ گئے۔ بعض آزاں بعض آئمہ نے انہی قراءات کے بیان میں کتب لکھی، جن کی

وجہ سے بعض نئی تقسیمات رونما ہوئیں۔ مثلاً امام دانی رحمہ اللہ اور امام شاطبی رحمہ اللہ نے مذکورہ شخصیات میں سے سات آئمہ اور ان کے چودہ تلامذہ اور پھر ان کے ۴، ۴ شاگردوں میں سے ایک ایک شاگرد لے کر اپنی کتب تصنیف فرمائیں، چنانچہ التیسیر لللدانی اور الشاطبیہ میں سات قراء کی سات متواتر قراءتیں، چودہ روایات اور چودہ طرق موجود ہیں۔ بعد ازاں باقی تین بڑے آئمہ اور چھ رواۃ کی تکمیل دانی و شاطبی کے ہی اسلوب پر کرتے ہوئے حافظ ابن جزری نے التجبیر اور الدرۃ تصنیف فرمائی، جس میں قراء ثلاثہ، ان کے چھ رواۃ اور پھر تیسیر و شاطبیہ کی طرز پر ایک ایک شاگرد دیا گیا۔ اس انداز سے کتب تصنیف پانے سے ایک نیا رنگ پیدا ہوا۔ وہ یہ کہ شاطبیہ اور دودہ وغیرہ میں موجود اختلافات چونکہ تمام معروف آئمہ اور ان کے تلامذہ کی مرویات پر مشتمل ہیں اس لیے عشرہ قراءات تو پوری ہو گئیں، لیکن چونکہ ۸۰ طرق میں سے تقریباً ۶۰ باقی تھے اس لیے انہیں عشرہ صغریٰ کہا گیا۔ بعد ازاں امام جزری وغیرہ نے عشرہ قراء اور بیس رواۃ کے ۲۰ سمیت باقی ماندہ ۶۰ روایات پر مشتمل کتب لکھیں۔ ان کتب میں بیان کردہ قراءات عشرہ کو پہلی کتب میں بیان کردہ قراءات عشرہ کے بالمقابل عشرہ کبریٰ کہتے ہیں۔

المختصر ۱۰، ۲۰ یا ۸۰ تمام قراءات ”سبعہ احرف“ سے ماخوذ ہیں یا منزل من اللہ سات آسالیب تلاوت (سبعہ احرف) خلط ملط ہو کر منتشر انداز میں ۸۰ سیٹوں کی صورت میں موجود ہیں، لیکن ایک بات طے ہے کہ یہ سیٹ سبعہ احرف کے منافی نہیں ہیں، ان اسی اندازوں میں جو بھی چیز لی گئی ہے وہ سبعہ احرف سے لی گئی ہے، البتہ جو سیٹ بنے ہیں وہ نئے بنے ہیں۔ شاید کسی سیٹ کے بارے میں دعویٰ کیا جاسکے کہ کسی ایک سیٹ میں سبعہ احرف میں سے ایک حرف پورا لیا گیا ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ قراءات میں تمام سبعہ احرف خلط ملط صورت میں موجود ہیں۔

سوال نمبر ۱۰ کیا یہ دینی رخصت صرف خیر القرون کے ساتھ خاص ہے یا مابعد لوگوں کے لیے بھی اس کی گنجائش ہے؟
جواب: قرآن و سنت کے احکام و تہنیتات قیامت تک کے لوگوں کے لیے ہیں اور کسی دینی معاملہ کو بغیر دینی خصوصیت کے کسی بھی زمانہ یا شخصیت کے ساتھ خاص نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ اس مشقت کے حوالے سے آسانی کی وجہ صحابہ رضی اللہ عنہم بنے، لیکن اب وہ آسانی صرف صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے نہیں ہے بلکہ قیامت تک کے تمام لوگوں کے لیے ہے۔ دینی مسائل میں سہولت دینے کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ بسا اوقات بیمار ایک بندہ ہوتا ہے، وہ اپنا مسئلہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس لے کر آتا ہے۔ اس کی وجہ سے دین کا ایک حکم آجاتا ہے اور اب وہ حکم اس بیمار کے علاوہ قیامت تک کے تمام بیماروں کے لیے ہوتا ہے۔ اسی پہلو کی طرف علمائے اصول نے اس ضابطے کے ساتھ اشارہ کیا ہے کہ العبرة لعموم اللفظ لا بخصوص السبب اسی طرح قراءتوں کے نزول کی وجہ اہل عرب بنے ہیں، ان کی زبان کی پیچیدگیاں تھیں، لیکن اب قراءات کے نزول کے بعد یہ رخصت قیامت تک کے لوگوں کے لیے باقی ہے۔ اس پہلو سے اگر دیکھا جائے تو ہشام بن حکیم رحمہ اللہ کا سورۃ الفرقان کو محروف کیشہ کے ساتھ پڑھنا ہو یا فاقرء و ماتیسر کی روشنی میں صحابہ اور تابعین کا مختلف حروف سبعہ کو باہم خلط کر کے پڑھنا، جس طرح متقدمین کے لیے اس کی گنجائش تھی اسی طرح متاخرین کے لیے یہ گنجائش بھی تا قیامت

موجود ہے۔ علمائے اصول کا قاعدہ ہے کہ عذر الماضین حُجَّةٌ للباقین۔ اس مسئلہ پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں بڑی نفیس بحث فرمائی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اہل قراءات کے حوالے سے دو ٹوک فرماتے ہیں کہ اہل قراءات نے خواہ مخواہ ہی ایک بحث کو پیدا کر دیا ہے کہ خلط جائز ہے یا ناجائز؟ حلال و حرام قراء کا میدان بحث نہیں، بلکہ فقہاء کا موضوع ہے، چنانچہ قراء کو اس مسئلہ میں حساسیت کی زیادہ ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔ فقہاء کی رائے میں اختلاف قراءات بالکل جائز ہے اور اس کے ناجائز ہونے کی کوئی بنیاد نہیں ہے، کیونکہ جس بنیاد پر صحابہ کے لیے اختلاف جائز تھا، مابعد والوں کے لیے بھی اسی بنیاد پر یہ جائز ہے۔

اب مسئلہ تو یوں ہی ہے لیکن اس میں کچھ باتیں ملحوظ خاطر رکھی جائیں:

① **پہلی بات** یہ ہے کہ خلط کی اجازت ان قراءات میں ہیں، جہاں اختلاف سے عبارت کی غلطی اور معنوی خرابی لازم نہیں آتی۔ اس قسم کے اختلاف کی حرمت پر تمام علماء متفق ہیں۔ مثلاً فتلقی آدم من ربہ کلمات [البقرہ: ۳۷] میں ایک قراءت میں آدم فاعل، دوسری میں مفعول ہے اور کلمات اسی ترتیب سے ایک قراءت میں فاعل، دوسری میں مفعول ہے۔ اب دونوں کو فاعل یا دونوں کو مفعول بنا دینا ناجائز ہے۔

② **دوسری بات** یہ کہ اگر آپ نے کسی روایت کا التزام کیا ہے کہ میں اس روایت کے ساتھ پڑھوں گا تو آپ کو خلط نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ ورش یا حفص کا نام لے کر دیگر روایات کو پڑھنا غلط ہوگا۔ اس کو اہل فن کے ہاں کذب فی الروایۃ کہتے ہیں اور یہ چیز بشمول حدیث کے ہر فن میں ناجائز ہے۔ اہل قراءات میں سے بھی جن حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ خلط علی سبیل الروایۃ ناجائز ہے تو وہ ایسی صورت ہی کے بارے میں ہے کہ جب آپ نے کسی روایت کا التزام کیا ہو۔ مثلاً اگر آپ کہیں کہ میں سنن ابوداؤد کی روایت بیان کرنے لگا ہوں اور بیان آپ بخاری کی روایت کر دیں یا کئی مجموعہ ہائے احادیث میں ایک واقعہ سے متعلق متفرق احادیث کو جمع کر کے بیان کر دیں۔ اب ایسی روایت اللہ کے رسول کا ارشاد تو ہوگا، لیکن اسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی نسبت سے بیان کرنا غلط ہوگا۔ عین اسی طرح اگر آپ نے کہا کہ میں امام قائلون رحمہ اللہ کی روایت سے ابونعیم رحمہ اللہ کا طریق پڑھوں گا تو آپ کے لیے جائز نہیں ہوگا کہ آپ اس کے اندر کوئی دوسرا طریق داخل کریں۔

اس بات کو ایک اور مثال سے یوں سمجھیں کہ امام شاطبی رحمہ اللہ اور امام جزری رحمہ اللہ دونوں نے ائمہ سبعہ اور ان کے چودہ تلامذہ کی مرویات اپنی کتب میں بیان کی ہیں، لیکن ان کی روایت میں فرق یہ ہے کہ جن طرق کا التزام امام شاطبی رحمہ اللہ نے کیا ہے، امام جزری رحمہ اللہ نے اس کے علاوہ بھی بعض طرق کا التزام کیا ہے۔ اب اگر آپ نے کہا کہ میں طریق شاطبی سے پڑھوں گا تو طریق شاطبی میں طریق جزری کا اختلاف جائز نہیں ہوگا، البتہ طریق جزری کے التزام کے صورت میں طریق شاطبی کو اس میں خلط کر کے پڑھ سکتے ہیں، کیونکہ طریق شاطبی خود طریق جزری کا ایک حصہ ہے۔ واضح ہوا کہ جب آپ نے کہا کہ میں روایت ورش پڑھوں گا تو روایت کے ورش کے نیچے جو طرق ہیں ان کو آپ خلط ملط کر سکتے ہیں کیونکہ آپ نے ان کی پابندی کا دعویٰ نہیں کیا۔

③ قراءات اور حدیث کا دار و مدار استاد سے پڑھنے پر ہے اور حدثنا، أخبرنا کتابوں سے نہیں ہوتا۔ ہمارا دین حدثنا، أخبرنا کے بغیر مقبول نہیں اور حدثنا، أخبرنا صرف استاد سے ہوتا ہے۔ قرآن کی طرح

حدیث کے بارے میں بھی یہی بات ہے۔ اسی لیے محدثین کرام کا مشہور مقولہ ہے: لَا تَأْخُذُوا الْحَدِيثَ عَنِ الصُّحُفِيِّ وَلَا تَأْخُذُوا الْمَصْحَفَ عَنِ الْمُصْحَفِيِّ یعنی مصحف سے نہ لو یعنی جو مصحف سے پڑھ کر قاری بنا بیٹھا ہو اور حدیث اس سے نہ لو جس نے صحیفوں سے پڑھ کر اخذ کر لی ہو۔ ایسے آدمی کا علم اس لیے مقبول نہیں، کیونکہ اس کا علم محدثین کے ہاں منقطع السند ہے۔

قراءت اور قرآن کے اندر ایک خاص چیز جو حدیث سے زیادہ ہے وہ یہ ہے کہ قراءات کی ادا بالاولیٰ بدون استاد مصحف سے اخذ نہیں کی جاسکتی۔ اس کے لیے تلقیٰ بڑی ضروری ہے۔ الغرض خلط قراءات کے ضمن میں دوسری ضروری بات یہ ہے کہ خلط قراءات عالم کے لیے جائز ہے، جاہل کے لیے نہیں۔ جاہل کے لیے اس وجہ سے ناجائز نہیں کہ وہ خلط کر رہا ہے بلکہ اس لیے کہ اس نے پڑھا ہی نہیں۔

ان باتوں کے ساتھ خلط کے خواہشمند حضرات کے سامنے یہ حقیقت بھی رہنی چاہیے کہ قدیم و جدید علماء کے اختلاف قراءات کو جائز کہنے کے باوجود عملاً تمام لوگوں کے ہاں نیا اختیار بنانے کا حوصلہ افزا رہ نہیں ملتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ہمتیں کم ہو گئی اور لوگوں نے علوم کی نسبت آئندہ کی طرف کردی تو بڑوں کے ہی اسالیب تلاوت پر اکتفا کر لیا گیا۔ نیا اختیار بنانے کی ان کو ضرورت پیش آئی اور نہ انہوں نے بالعموم اس کی حوصلہ افزائی کی بلکہ اسے ایک طرح کی جرأت سمجھا۔ مسئلہ کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ آپ دیکھتے ہیں کہ فقہ میں آئمہ اربعہ سے نسبت کے بعد روایت فکر میں تقلید کی پابندی اور نئے اجتہادات کو انتہائی قبیح سمجھا جاتا ہے۔ بڑے بڑے اصحاب علم تقلید آئمہ ہی پر اکتفا کیے بیٹھے ہیں۔ بہت تھوڑے لوگ ہیں جو فقہ کی نسبت آئمہ کی طرف کر دینے کے باوجود نئے ادوار اور نئی ضروریات کے تحت نئے اجتہادات فرماتے ہیں، لیکن آئمہ کے ساتھ تمسک کے سلسلہ میں احتیاط ان کے ہاں بھی ہے۔ اب اپنے اسلاف سے ایسی وابستگی کے حاملین قراءات کے اندر نیا اختیار بنانے کی حوصلہ افزائی بالعموم کس طرح کریں گے؟ خلاصہ یہ ہے کہ شرعاً خلط قراءات میں کوئی قباحت نہیں ہے اور اس میں کوئی گناہ والی بات بھی نہیں ہے، اس کے باوجود بارہ صدیوں سے عملاً ایسا کیا نہیں جا رہا، کیونکہ جس کے سامنے کا برین کی بات کی کوئی عظمت ہوتی ہے، وہ عام طور پر بڑوں کے ساتھ التزام کر لینے میں زیادہ خیر سمجھتے ہیں۔ قرآن مجید کے حوالے سے نئے اختیارات اور سیٹ متعین کرنا کرنا پر اعتماد آدمی کا کام ہے، لیکن اپنے اسلاف کے بالمقابل ایسا اعتماد بڑے بڑے اساتذہ نہیں رکھتے۔ اس کی وجہ علم میں چٹنگی اور اہل علم کی عقیدت ہے، لیکن چونکہ جاہل میں یہ اعتماد زیادہ ہوتا ہے، اس لیے بالعموم ایسے مسائل کی حساسیت ان میں زیادہ ہے۔

سوال نمبر ۷: قرآن اور قراءات میں کیا مناسبت ہے اور کیا یہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں یا دو مختلف چیزیں ہیں؟

جواب: لغوی اعتبار سے قرآن اور قراءات میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ قرأ بقرأ کا مصدر قرأنا بھی آتا ہے اور قراءۃ بھی۔ اسی لیے اہل عقیدہ نے مسئلہ خلق قرآن کے ضمن میں واضح کیا ہے کہ قرآن کا لفظ بول کر بسا اوقات قراءت قرآن مراد ہوتی ہے اور بسا اوقات نفس قرآن مراد ہوتا ہے۔ قرآن بول کر مراد تلاوت قرآن کی مثالوں میں امام ابن ابی العزحی نے شرح عقیدہ طحاویہ میں قرآن مجید سے آیت: ﴿أَقْبِرَ الصَّلَوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ [الاسراء: ۷۸] اور احادیث

میں وارد آپ کے ارشاد: «أنزل القرآن على سبعة أحرف» [بخاری: ۴۹۹۲] کو ذکر کیا ہے۔

اس پہلو سے قرآن اور قراءات میں کوئی فرق نہیں ہے، لیکن جب فنون تدوین پا جاتے ہیں تو بعد میں لفظ اپنے لغوی معنی کے بجائے اصطلاحی معنوں میں رواج پذیر ہوتے ہیں۔ اسی طرح قراءات کا لفظ بعد از تدوین فن بعض مخصوص معانی میں بولا جانے لگا۔ اس ضمن میں متاخرین کے ہاں قراءات کی تین تعریفیں بیان کی جاتی ہیں:

بعض اہل فن علم قراءات کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ قرآن کے اختلافی کلمات کا وہ اختلاف، جو اللہ کے رسول ﷺ کی نسبت سے منقول ہو اور عقل و رائے کا اس میں دخل نہ ہو تو ایسا علم، جس میں ان مختلف فیہا کلمات کے بارے میں بحث کی جائے، کو قراءات کا علم کہا جاتا ہے۔

اس تعریف کی رو سے قراءات سے مراد قرآن کریم کے تمام کلمات کے بجائے صرف وہ مختلف فیہ کلمات مراد ہیں، جن میں ایک سے زیادہ پڑھنے کے اسالیب و انداز ہیں۔ چنانچہ اس تعریف کی رو سے الحمد للہ رب العالمین، الرحمن الرحیم (الفتحہ: ۲:۱) کا تعلق قرآن کریم سے تو ہے، لیکن علم القراءات سے نہیں، لیکن ملکہ کا تعلق قرآن کے ساتھ ساتھ قراءات سے بھی ہوگا۔ اس تعریف کی رو سے ہر قراءت کے ہر کلمہ کا تعلق قرآن سے ضرور ہے، لیکن ہر کلمہ قرآنی کا تعلق علم القراءات سے نہیں۔ علم القراءات کی وہ کتابیں، جن میں قراءات کے متعلق بحث کی گئی ہے، ان میں قراءات کی یہی تعریف زیر بحث ہے۔ مثلاً قراءات کی مشہور کتب شاطبیہ، درہ، طیبہ یا التیسیر وغیرہ ہیں اور ان کتابوں کے اندر وہ چیزیں، جن میں قراءت عشرہ کے مابین اختلاف نہیں ہے، زیر بحث نہیں آتے، بلکہ صرف وہ موضوعات زیر بحث آتے ہیں جس میں قراءت کے مابین اختلاف ہوا ہے۔

قراءت عشرہ کے اختیارات کے قرار پا جانے کے بعد علم القراءات کی جو تعریفیں سامنے آتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ قراءات کا تعلق مقولات و خبر کے قبیل سے ہے یعنی قرآن مجید اور قراءات میں وہی فرق ہے، جو سنت اور حدیث میں فرق کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید وہ شے ہے جو قراءات کے اندر روایت کی جاتی ہے، جبکہ قراءات قرآن کریم کی روایات کا نام ہیں۔ جیسے قرآن کریم الحمد للہ رب العالمین کو کہا جائے گا، لیکن جب اس کو آگے نقل کیا جائے تو جس علم میں اس کو بطور روایت نقل کیا جائے گا تو اس علم کو علم قراءات کہیں گے۔ اسی تعریف کی رو سے عام استعمالات میں قرآن مجید کے حوالے سے متفق کلمات ہوں مختلف فیہ کلمات، ناقلین سے جو کچھ روایت کیا گیا ہے اسے علم القراءات کہا جاتا ہے۔ مروج قراءات عشرہ، جن میں قرآن کریم کو آئمہ عشر نے متفق فیہ مختلف فیہ کلمات ہر دو اعتبار سے بیان کیا ہے، کو عام طور قراءات عشرہ متواترہ کے نام سے بیان کیا جاتا ہے اور یہ بات ہم جانتے ہیں کہ تواتر کا تعلق علم خبر اور علم روایت سے ہے، چنانچہ قراءات عشرہ متواترہ کا مطلب ہے: روایات عشرہ متواترہ۔ الغرض اس تعریف کی رو سے قراءات، روایت قرآن کو کہتے ہیں اور قرآن مروی (نفس قرآن) کو کہتے ہیں، جو اس روایت کے اندر نقل ہو رہا ہوتا ہے۔

دوسری اور تیسری تعریف ایک ہی ہے، لیکن تیسری تعریف میں کچھ مزید تفصیل بھی ہے اور وہ یہ کہ اس تعریف کی رو سے اہل فن کے ہاں قراءات کا تعلق روایت کی ایک خاص قسم سے ہے۔ علمائے قراءات کے ہاں قرآن کی روایات تین قسموں پر مشتمل ہیں۔ اگر وہ روایت آئمہ عشر کی نسبت سے بیان کی جائے تو اسے 'قراءت'، ان آئمہ

کے بیس رواۃ کی نسبت سے بیان کی جائے تو 'روایت' اور اگر ان کے ذیلی اسی طرق کی نسبت سے بیان کی جائے تو 'طریق' کہتے ہیں، جیسے کہ امام تاجفہ رحمہ اللہ یا امام عاصم رحمہ اللہ کی مرویات کی بات ہو تو 'قراءت' کہلائے گی اور اگر امام ورش رحمہ اللہ یا امام حفص رحمہ اللہ کی بات ہو تو 'روایت' کہلائے گی اور جب ان کے شاگرد مثلاً ازرق یا اصہبانی کی طرف اختلاف کی نسبت ہو تو اس کو 'طریق' کہیں گے۔ قراءت، روایت اور طریق اگرچہ تینوں لغوی اعتبار سے روایت کے ہم معنی ہیں، لیکن اہل فن کی اصطلاحات میں ورش کی روایت کو قراءت ورش نہیں کہا جائے گا بلکہ روایت ورش کہا جائے گا اور قانون کی روایت کو قراءت قانون نہیں، بلکہ روایت قانون کہا جائے گا، جبکہ امام تاجفہ رحمہ اللہ کی روایت کو قراءت تاجفہ رحمہ اللہ کی روایت کہلائے گا۔ اسی طرح سیدنا قانون وغیرہ کے نیچے جو طرق ہوں گے اس میں سیدنا ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے طریق کو قراءت ابن حنیفہ یا روایت ابن حنیفہ نہیں کہا جائے گا بلکہ طریق ابن حنیفہ کہا جائے گا۔

سوال نمبر ۸: آپ کے بقول قراءات اختیارات ائمہ ہیں، اس ضمن میں کچھ مزید وضاحت کریں؟

جواب: سب سے پہلے ضروری ہے کہ ہم اختیارات کا مفہوم واضح کر لیں۔ اختیار کا لغوی معنی کسی شے کو چننا اور پسند کر کے اپنے لیے طے کر لینے کے ہیں ہے۔ جیسے کسی آدمی کو اگر دس کھانے والی چیزیں پیش کی جائیں اور وہ اپنے لیے کسی ایک چیز کو پسند کر کے اٹھالے تو یہ اس کا ماکولات میں اختیار ہوگا۔ اسی طرح محدثین کرام نے بھی اختیارات فرمائے ہیں، جیسے امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح احادیث کے اندر قبولیت حدیث کے معیار سے قطع نظر جو ایک اضافی معیار قبولیت اپنی پسند و ذوق کے حوالے طے کیا اور اس معیار کے حوالے سے ایک لاکھ صحیح احادیث میں سے تقریباً ساڑھے سات ہزار احادیث پر مشتمل ایک ذخیرہ تیار کر لیا، تو عام بات کے مطابق اس کو اختیار بخاری قرار دیا جائے گا۔ مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں قبولیت حدیث کے ضمن میں رواۃ کی ثقاہت کے حوالے سے عام معیار ثقاہت سے بڑھ کر اہتمام کیا یا اتصال سند کے حوالے سے صرف دو افراد، جو آپس میں استاد شاگرد ہوں، ان کی معاصرت کو کافی نہ سمجھنا، بلکہ ملاقات کے تحقق کو شرط کے طور پر پیش کرنا، جبکہ صحت روایت کے عام معیار میں یہ شرط موجود نہیں ہے۔ تو اس قسم کی خصوصی شرائط کو ملحوظ رکھ کر امام صاحب رحمہ اللہ نے ایک مخصوص ذخیرہ حدیث اپنے اختیار سے ترتیب دیا۔ اسی طرح امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اپنا ایک اختیار ترتیب دیا ہے، مثلاً امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے لیے جو شرط ذاتی طور پر اختیار کی اور جو محدثین کے معیار صحت سے بالعموم اضافی ہے، وہ یہ ہے کہ وہ اپنے مجموعہ احادیث میں صرف ان صحیح حدیثوں کو نقل نہیں فرمائیں گے جو ان کے ہاں صحیح ہوں یا دیگر آئمہ کے ہاں صحیح ہوں، بلکہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنے ذوق کے مطابق ایسا ذخیرہ احادیث تیار کرنے کی خواہش ظاہر کی کہ وہ تمام حدیثیں جو تمام محدثین کے ہاں بالاتفاق صحیح تھیں، امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ پسند کیا کہ ایسا ذخیرہ حدیث ترتیب دیا جائے جس میں تمام متفق علی الصحۃ احادیث کو اکٹھا کر دیا جائے، چنانچہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اس طرح سے جو ذخیرہ احادیث ترتیب دیا اور بعض دیگر شرطیں بھی انہوں نے اپنے پسند اور اختیار سے اپنے مجموعے میں ابتدا ہی سے ملحوظ خاطر رکھیں ان کی روشنی میں جو ذخیرہ حدیث سامنے آتا ہے وہ امام مسلم رحمہ اللہ کی صحیح احادیث میں انکا ذاتی اختیار ہے۔ اس کی ایک مثال اور لے لیں، مثلاً آج بھی مصنفین نبی طے کردہ ایسی شرائط جو صحت حدیث کی شرائط سے متعارض نہ ہوں، متعین کر کے بعض نئے ذخیرہ احادیث بھی مرتب کر سکتے

﴿

ہیں، مثلاً امام ابن حجر رحمہ اللہ نے جو متاخرین کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے احکام کی حدیثوں کو موضوع بنا کر اپنا ایک اختیار بلوغ المرام کی صورت میں اُمت کے سامنے پیش کیا ہے۔ اسی طرح امام نووی رحمہ اللہ نے فضائل اعمال یا سلف صالحین کے ہاں زہد و تقویٰ کے حوالے سے جو ایک شوق پایا جاتا تھا، اس کے حوالے سے ایک خاص اختیار ترتیب دے کر ریاض الصالحین کی صورت میں پیش کیا ہے۔ آج کے دور میں بعض لوگ ایک سوچ اور رکھتے ہیں کہ تمام ذخیرہ حدیث میں سے تمام صحیح احادیث اور تمام ضعیف روایات پر ایک ذخیرہ ترتیب دے دیا جائے تاکہ قرآن کی مثل حدیث سے بھی استفادہ عام آدمی کے لیے آسان ہو۔ اس ضمن میں شیخ البانی رحمہ اللہ کا سلسلہ احادیث صحیحہ اور سلسلہ احادیث ضعیفہ ایک مثال کے طور پر موجود ہے۔ اسی طرح ایک سوچ ایک نئے مجموعہ حدیث کی یہ ہو سکتی ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ کے اہتمام کی مثال سنن اربعہ، موطا، دارقطنی، تہذیب وغیرہ معروف کتب حدیث سے ان احادیث کو نکال کر ایک نیا ذخیرہ (اختیار) پیش کرنا چاہیے جو کہ بالاتفاق محدثین ہو۔ امام حاکم کی المستدرک شرط بخاری و مسلم کے معیار پر رہ جانے والی احادیث کا نیا مرتب مجموعہ حدیث ہے۔

بالکل اسی طرح قراءات کے اندر اختیارات کی بحث ہے۔ آئمہ قراءات نے اللہ کے رسول ﷺ کے ارشاد: «أنزل القرآن على سبعة أحرف كلها شاف كاف فاقراءوا ما تيسر» [بخاری: ۴۹۹۲] سے پیش نظر ان منزل من اللہ قراءات میں سے جس چیز کو آسان سمجھا اور اپنی ذات کے لیے پسند کیا، انہوں نے قرآن مجید کی تلاوت کے لیے اپنے متعین اسالیب اختیار کر رکھے تھے، اس وجہ سے آئمہ سے قبل صحابہ کی طرف بھی قراءات کی نسبت ہوئی، چنانچہ قراءات عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مراد، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وہ اختیار ہے جو انہوں نے سببہ احرف کو باہم ملا جلا کر فاقروا ما تيسر کی روشنی میں شرعی تسہیل کے مطابق اپنی پسند کے مطابق ترتیب دیا اور اس کے مطابق وہ پڑھا، پڑھایا کرتے تھے۔ اسی طرح قراءات اُبی بن کعب سے مراد ابی بن کعب کا اختیار ہے۔ اسی طرح بعض دیگر صحابہ کے اختیارات سامنے آتے ہیں اور وہ ہمیں حدیث کی کتابوں میں ان کی قراءات کے نام سے ملتے ہیں۔ بالکل اسی طرح بعد کے ادوار میں آئمہ عشرہ نے اپنے اختیارات ترتیب دیئے۔

آئمہ میں اپنے ذوق تلاوت کے موافق اختیار کی دو صورتیں رائج رہی ہیں:

ایک صورت ان اختیارات کی یہ تھی کہ موجود روایات جو چلتی آ رہی ہیں ان میں سے ہو بہو کسی ایک روایت کو بطور طبعی ذوق کے اختیار کر لیا جائے، جیسا کہ قراءات عشرہ میں جو بیس رواۃ موجود ہیں، بعض آئمہ فقہاء نے کسی ایک مکمل روایت کو اپنے اختیار کا حصہ بنا لیا، مثلاً امام مالک رحمہ اللہ کا میلان قراءات نافع کی طرف تھا، کیونکہ انہوں نے مدینہ میں امام نافع سے براہ راست ان کے اختیار کو اخذ کیا تھا، چنانچہ مغربی و افریقی ممالک، جہاں فقہ مالکی کا رواج ہے، وہاں سیدنا ورش رحمہ اللہ یا سیدنا قالون رحمہ اللہ کا اختیار مقروء ہے۔ کوفہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو امام عاصم سے تلمذ حاصل رہا چنانچہ برصغیر وغیرہ میں ان کی فقہ کے رائج ہونے کے ساتھ ساتھ امام حفص رحمہ اللہ کا اختیار مقبول و معمول بہ ہے۔ اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے حوالے سے ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ سیدنا حمزہ زیات الکوفی رحمہ اللہ کے اختیار کو مدود اور قوی وجوہ وغیرہ کی وجہ سے اپنی ذاتی پسند کے اعتبار سے زیادہ پسند نہیں فرماتے

تھے، جبکہ دیگر بعض روایات کی طرف ان کا ذوق ذاتی زیادہ تھا۔ بعض لوگ امام احمد رحمہ اللہ کے حوالے سے اس قسم کی باتوں کو قراءات کے انکار کی بنیاد بنا کر پیش کرتے ہیں، حالانکہ وہ ذاتی اختیار کے اعتبار قراءات حمزہ کی طرف میلان نہیں رکھتے تھے۔ یہ اسی طرح ہے کہ آج کے زمانے میں کوئی بندہ روایت خلف عن حمزہ کو اپنا معمول تلاوت بنا لیتا ہے، تو گویا کہ یہ اس کا اختیار ہے۔ اسی طرح آج کل ماہرین قراءات، جو تمام قراءات اور روایات کو ہی جانتے ہیں، ان کے ہاں بسا اوقات اپنی تلاوتوں کے اندر بعض لحاظ زیادہ پسندیدہ ہوتے ہیں، مثلاً مروجہ محافل قراءات میں عام قراء روایت خلف، جبکہ بعض روایت ورش کو زیادہ پڑھتے ہیں۔

اختیار کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ آپ مختلف روایات کو ملا جلا اور جمع کر کے ایک نیا اختیار ترتیب دے دیں۔ آئمہ عشرہ نے عام طور پر دوسری قسم کے اسالیب تلاوت اختیار فرمائے ہیں، البتہ امام ورش رحمہ اللہ جب امام نافع رحمہ اللہ کے پاس مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے جو قراءات پہلے سے اپنے وطن مصر میں پڑھ رکھی تھی، وہ امام نافع رحمہ اللہ پر پیش فرمائی۔ چونکہ امام نافع رحمہ اللہ نے اپنے بعض مشائخ سے یہ اختیار پہلے ہی پڑھا ہوا تھا، چنانچہ ان کو اجازت دے دی۔ المختصر امام ورش رحمہ اللہ کی جو روایت ہے وہ امام نافع کا نیا ترتیب شدہ اختیار نہیں تھا بلکہ پہلی قسم کا اختیار تھا، جبکہ امام قاتلون رحمہ اللہ نے امام نافع رحمہ اللہ کا نیا ترتیب شدہ اختیار نقل فرمایا ہے۔

اختیارات کی تعریف واضح ہو جانے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر بحث کر لی جائے کہ ان آئمہ کو یہ حق اختیار کس نے دیا اور کیا ہم بھی آئمہ متقدمین کی طرح کوئی نیا اختیار بنا سکتے ہیں؟

پہلے سوال کا سادہ جواب یہ ہے کہ یہ حق اختیار ان کو قرآن مجید اور احادیث رسول نے دیا۔ قرآن مجید کے حوالے سے میں نے یہ بات اس لیے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ آیت: یٰرِیٰدُ اللّٰہُ بَکُمُ الیَسِرَ کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی مختلف قراءات نازل فرمائیں، چنانچہ احادیث نبویہ میں اسی پس منظر میں آپ نے ارشاد فرمایا: أنزل القرآن علی سبعة أحرف کلھا شاف کاف فاقروا ماتیسر [بخاری: ۴۹۹۲]۔ اللہ کے رسول ﷺ کا اپنے صحابہ کو اجازت دی تھی کہ منزل من اللہ حروف و قراءات میں سے جو صحابی جس طرح چاہے اپنے سہولت اور ذوق و پسند کے مطابق انداز تلاوت اختیار کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کے زمانے میں سینکڑوں ترتیبات تلاوت (اختیارات) وجود میں آچکے تھے۔ تابعین کے دور میں بھی اسی طرح نئے نئے سیٹ (اختیارات) وجود میں آتے رہے، حتیٰ کہ آئمہ عشرہ اور تبع تابعین کا دور آ گیا۔ آئمہ عشرہ کے زمانہ میں بھی بے شمار انداز تلاوت موجود تھے، لیکن اس دور میں ہمتیں جب کم ہو گئیں اور لوگوں نے دیگر علوم کی طرح علم قراءات کو بھی بعض اشخاص کی نسبت سے ہی اخذ کرنا اور پڑھنا شروع کر دیا تو بعد ازاں آئمہ عشرہ کے اختیارات ہی امت میں رائج ہو گئے اور اب پچھلی بارہ صدیوں سے امت میں یہی اسالیب تلاوت رائج ہیں۔

اب سوال کے تیسرے حصے پر بحث کرتے ہیں کہ ہماری رائے کے مطابق یہ بات ٹھیک ہے کہ اگر آئمہ قراءات کو حق اختیار نصوص شریعت نے دیا تھا تو نصوص شریعت چونکہ ابدی ہیں، اس لیے بعد کے زمانوں میں بھی غلط قراءات کرتے ہوئے نیا اختیار قراءات بنانے کی بہر طور گنجائش ہے، جسے سلفہ امت سے کسی صورت خاص نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس اجازت کے باوجود ہم عرض کریں گے کہ یہ بات تو روز ازل سے طے تھی کہ شرعی

تہیلات کو کسی زمانہ سے خاص نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس سوال کے سامنے کیا وجوہات ہیں۔ دراصل اس قسم کے سوالات کے پیدا ہونے کا ایک پس منظر ہے اور وہ یہ کہ آئمہ عشرہ کے بعد لوگوں نے بالعموم قراءات کے اندر وابستگی اور توجہ نہیں رکھی، بلکہ تساہل اور طبعی کسولت کی بنا پر آئمہ قراءات کی قراءات پر ہی اکتفاء کر لیا اور یہی وجہ ہے کہ بعد ازاں اللہ نے قرآن سے وابستگی کے انعام کے طور پر انہی آئمہ کو مقام امامت پر فائز فرماتے ہوئے ان کے اختیارات اور طے کردہ ترتیبات تلاوت کو امت میں جاری فرمایا کہ امت پچھلے کئی سو سال سالوں سے بالاتفاق انہی اختیارات پر اکتفا کیے بیٹھی ہے، چنانچہ اگر کوئی آدمی ان آئمہ عشرہ کی طرح قرآن کریم میں کمال پیدا کرتا ہے اور علم قراءات کے ساتھ انتہائی وابستگی اختیار کرتا ہے تو اس کے لیے کوئی ایسی ممانعت نہیں ہے کہ وہ اپنا نیا اختیار ترتیب نہ دے، لیکن یہ بات قطعاً مناسب نہیں ہوگی کہ وہ لوگ جو قرآن مجید کے ساتھ ادنیٰ تعلق رکھتے ہوں اور اس کے علوم کے ساتھ ان کی وابستگی انتہائی محدود ہو اور قرآن مجید کی تلاوت و اداء اور درس و تدریس میں انہوں نے معمولی حصہ صرف کیا ہو تو انہیں بہر حال نیا اختیار بنانے سے بچنا چاہئے، کیونکہ انہیں قرآن مجید کی تلاوت و اداء میں وہ کمال حاصل نہیں کہ جو اس قسم کی تہیلات سے مستفید ہونے کے لیے بہر حال ایک ضروری امر ہے۔ اس قسم کے لوگوں کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ پہلے سے اختیار شدہ اختیارات کو معمول بنائیں۔

اس بات کی مثال یوں سمجھیں کہ فقہ میں تقلید آئمہ کے معمول بن جانے کا ایک پس منظر ہے۔ اجتہاد کے حوالے سے یہ بحث کہ کیا اجتہاد کا دروازہ آج بھی کھلا ہوا ہے؟ یہ سوال اس لیے پیدا ہوا کہ متاخرین نے بالعموم متقدمین کے طرح شریعت اور اس کے علوم سے جب وابستگی اختیار نہیں کی تو جمہور اہل علم نے اجتہاد کے دروازے کے بند ہونے کا فتویٰ جاری کر دیا، لیکن اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں تھا کہ نبوت کی طرح منصب اجتہاد کا خاتمہ بھی ان آئمہ فقہاء پر ہو گیا۔ یہ علوم چونکہ کسی ہیں اور ان کا ایک نصاب موجود ہے، چنانچہ جس شے کا نصاب ہو تو کسب کی کمی کا ازالہ کرتے ہوئے اگر محنت و لگن کے ساتھ متقدمین کی طرح علم میں کمال حاصل کر لیا جائے تو تمام آئمہ کے اجتہاد کرنے کی اجازت ہے۔ بس یہی معاملہ قراءات کے سلسلہ میں سمجھنا چاہیے۔ نیا اختیار بنانا جائز ہے یا نہیں اس پر نظر کرنے کے بجائے اس پر توجہ ہونی چاہیے کہ ہمارے علم قراءات سے تعلق اور وابستگی کس قدر مضبوط ہے؟

سوال نمبر ۶: آپ رحمہ اللہ اور صحابہ کی قراءات (اختیارات) کون کون سی تھیں؟ مثلاً عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، سعد بن ابی وقاص رحمہم اللہ صحابہ میں بہت بڑے قاری تھے، لیکن یہ کون سی قراءات پڑھا کرتے تھے؟

جواب: صحابہ کی قراءات، بنیادی طور پر صحابہ کے اختیارات ہیں۔ جس صحابی اور جس امام نے اپنی سہولت اور ذوق کے مطابق جس انداز کو اپنی تلاوت کے لیے اختیار فرمایا، بعد میں اس کی نسبت اسی کی طرف ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، سعد بن ابی وقاص یا حضرت عائشہ اور حضرت عمر بن خطاب رحمہم اللہ وغیرہ صحابہ کے ہاں جو انداز تلاوت رائج تھا، بعد ازاں وہ انہی کی نسبت سے قراءۃ عبداللہ بن مسعود، قراءۃ ابی بن کعب، قراءۃ سعد بن ابی وقاص، قراءۃ عائشہ اور قراءۃ عمر بن خطاب رحمہم اللہ کے نام سے معروف ہوا۔ صحابہ کے ان اختیارات کو معلوم کرنے کا ہمارے پاس ذریعہ وہ احادیث اور بعض کتب قراءات ہیں، جن میں بعض صحابہ کی نسبت سے بعض حروف و قراءات منقول ہیں۔ اُمت میں جو قراءات متواتر چلی آ رہی ہیں، وہ آئمہ عشرہ کی

قراءات ہی ہیں۔ آئمہ عشرہ کے اختیارات تو درس و تدریس کے اندر معمول بھی ہیں اور معروف بھی ہیں، جبکہ صحابہ، تابعین اور بعض دیگر اصحاب اختیار کے اختیارات آج بھی ان کتب میں موجود ہیں جو صرف لائبریریوں کی زینت ہیں۔ ان میں کافی ساری تصنیفات ایسی بھی ہیں، جو برسہا برس سے توجہ نہ ملنے کی وجہ سے مخطوطات کی صورت میں محفوظ ہیں۔ ان مخطوطات کی حفاظت کا اہتمام بھی عام مکتبات میں موجود نہیں، بلکہ صرف بعض انٹرنیشنل لائبریریوں اور ماہرین فن کے ذاتی کتب خانوں میں ملتا ہے۔ ان مخطوطات میں نبی کریم ﷺ اور بعض قراء صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذاتی اختیار کے بارے میں بھی بعض کتب موجود ہیں۔ قراءات کے مشہور امام ابو عمر حفص الدوری رحمہ اللہ، جن کی روایت سوڈان، صومالیہ وغیرہ میں آج کل بھی رائج ہے، کی تصنیف خاص، جو حال ہی میں مطبوع ہو کر منظر عام پر آئی ہے، میں مؤلف موصوف نے رسول اللہ ﷺ کے انداز تلاوت کو موضوع بحث بنا کر آپ کے مجموعہ ہائے اختلافات تلاوت کو حتی المقدور جمع کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام دوری رحمہ اللہ نے اس کتاب کا نام جزء فیہ قراءات النبی ﷺ تجویز فرمایا ہے۔ امام دوری رحمہ اللہ نے اس تصنیف ایقین میں وہ تمام قراءات جمع فرمائی ہیں، جو انہوں نے اپنی ذاتی سند کے ساتھ، اپنے اساتذہ سے اخذ کی ہیں۔

سوال نمبر ۱۵: نبی اکرم ﷺ کے ارشاد «اقروا کما علمتم» [ابن حبان: ۷۴۳] کا مطلب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا حکم یہ تھا کہ ہر صحابی اسی طرح پڑھے جس طرح اس کا استاد پڑھائے، تو قراءات اختیارات کیسے ہوئیں؟

جواب: نبی کریم ﷺ کے ارشاد اقروا کما علمتم [ابن حبان: ۷۴۳] کا جب تک پس منظر سامنے نہ رہے، تب تک اس کی تفسیر اور وضاحت کے اندر اختلاف ہوتا رہے گا۔ جو بات ہم اس فرمان سے سمجھتے ہیں وہ یہ بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد مبارک کا ایک پس منظر ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ متعدد روایات میں صحابہ کے مابین مختلف قراءات کی قبولیت کے سلسلہ میں جو اختلاف سامنے آیا تو اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے دیگر ارشادات کے ہمراہ جو ایک اصولی راہنما ارشاد فرمایا وہ یہ تھا کہ ہر آدمی بجائے اس کے کہ اس بحث میں پڑے کہ کون سی قراءہ زیادہ بہتر ہے اور کون سی کم بہتر ہے یا کوئی قراءت صحیح ہے اور کون سی غلط، وہ اس بحث میں پڑنے کے بجائے اپنے استاد سے جس طرح پڑھا ہے اسی کے مطابق تلاوت کرتا رہے۔ چنانچہ اقروا کما علمتم [ابن حبان: ۷۴۳] سے بنیادی طور اللہ کے رسول ﷺ کی مراد یہ تھی کہ لوگ ایک دوسرے کے انداز تلاوت میں پڑنے کے بجائے اپنے اساتذہ سے اخذ شدہ اسلوب کے مطابق پڑھیں۔ اس کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ بعد ازاں علم قراءات کے آئمہ کبار نے اپنے بے شمار اساتذہ سے جو کچھ پڑھا اسی کے پابندی کرتے ہوئے اپنے انداز تلاوت ترتیب دیئے۔ مثلاً امام نافع رحمہ اللہ کے قراءات میں ستر اساتذہ تھے اور امام نافع نے اقراءوا کما علمتم [ابن حبان: ۷۴۳] کی رعایت کرتے ہوئے اپنے ستر کے ستر اساتذہ سے جو کچھ پڑھا، اسی میں سے تمام کو لیتے ہوئے اپنا ایک انداز تلاوت متعین کیا اور وہ اس انداز کے مطابق ہی اپنے تلامذہ کو پڑھایا کرتے تھے۔ ان کا جو انداز تلاوت تھا اس میں کسی بھی جگہ اپنے اساتذہ اور مشائخ سے حاصل کردہ قراءات سے انحراف نہیں تھا، ماسوائے اس کے تمام کو ملا کر ایک نیا اختیار وجود میں آیا۔

مزید برآں واضح رہے کہ قرآن مجید کے حوالے سے یہ سوال جو کیا گیا ہے کہ اگر قراءات میں عملاً غلط ہوا ہے تو کیا قرآن مجید اپنی اصلی شکل میں موجود ہے؟ تو اس کا جواب ہماری پیچھے گزری گفتگو کی روشنی میں یہ ہے کہ قرآن مجید رسول اللہ ﷺ پر اتر ا تھا اور آپ نے اپنے صحابہ تک اسے پہنچایا، صحابہ نے اپنے شاگردوں اور پھر ان کے تلامذہ نے اسے آگے پہنچایا۔ قرآن مجید تو حتمی طور پر اس ساری روایت کے اندر موجود ہے۔ البتہ ہمارے علم کی حد تک یہ بات متعین کرنا مشکل ہے کہ نزول کے وقت قرآن کریم کے جو سات اسلوب سبعہ احرف کی صورت میں موجود تھے، بدون اختلاط وہ اپنی اصلی صورت میں کہاں ہیں؟ لیکن چونکہ ان سات اندازوں کی بعینہ حفاظت مقصود بھی نہ تھی، کیونکہ تمام حروف سبعہ محفوظ صورت میں قراءات میں موجود ہیں اور شرعی سہولت کے موافق آپ جس طرح آسانی خیال کریں پڑھ لیں، بھی موجود ہے، چنانچہ ان حروف سبعہ کو تو محفوظ کیا گیا ہے لیکن ان کی داخلی تعیین کی حفاظت کا اہتمام نہیں کیا جاسکا۔ بلکہ جس طرح رسول اللہ پر نازل شدہ سبعہ اسالیب قراءات کا علم نہیں، اسی طرح بعد ازاں صحابہ و تابعین اور آئمہ عشرہ کے ساتھ تبع تابعین کے ترتیب تلاوت کو بھی متعین کرنا شاید بہت مشکل ہو، کیونکہ جب تک امت میں نئے اختیارات کا سلسلہ جاری رہا، تب تک ہر نئے آنے والے نے اپنا نئے انداز کو جب ترتیب دیا تو پچھلے کو محفوظ نہیں کیا۔ البتہ جب ان آئمہ عشرہ کے اختیارات کو امت نے قبول کر لیا اور پھر متاخرین میں ان کا متفقہ تعامل جاری ہو گیا، تو اب صرف ان آئمہ عشرہ کے اختیارات کی تعیین ممکن ہے۔ بہر حال ہم خلاصہ کہہ سکتے ہیں کہ منزل من اللہ قرآن مجید کے تمام اسالیب و بنیادی طور پر ان موجودہ قراءات عشرہ میں مکمل طور پر محفوظ ہیں اور کوئی ایک حرف یا حصہ بھی حذف یا آگے پیچھے نہیں ہوا، البتہ یہ بات ٹھیک ہے کہ سبعہ احرف کا ہر حرف مفصل اور متعین طور پر بیان نہیں کیا جاسکتا۔

سوال نمبر ۱۱: تحریرات کیا ہیں؟ قراءات عشرہ سے ان کی مناسبت کیا ہے؟ نیز فن قراءات میں ان کا مقام کیا ہے؟

جواب: قراءات عشرہ کے بارے میں یہ بات معلوم ہے کہ یہ قراءات آئمہ عشرہ کے اختیارات ہیں، جو بارہ صدیوں سے امت میں بطور تلاوت متفقہ طور رائج ہیں، نیز بطور تلاوت ان کو قبولیت عامہ حاصل ہو جانے کے سبب بعد ازیں نئے اختیارات کا سلسلہ انتہائی محدود ہو گیا۔ یہ قراءات بعد کے زمانوں میں پچھلے ایک ہزار سالوں سے بدون اختلاط روایت کے ذریعے منتقل ہو رہی ہیں۔ علم تحریرات اس چیز کا نام ہے کہ آئمہ عشرہ کی نسبت سے جو چیزیں آج قراءات کی کتابوں میں بیان کی جاتی ہیں، ان کے متعلق یہ نکھار اور وضاحت کی جائے کہ روایات میں کہاں کہاں اختلاط طرق ہو گیا ہے، چنانچہ تحریرات کے ضمن میں تقریباً تمام محرمین اس بات پر متفق ہیں کہ تحریرات بنیادی طور پر روایات و طرق میں ترکیب و اختلاط کے نکھار کا نام ہے۔ غلط قراءات کے حوالے سے بعض اہل علم نے یہاں یہ بحث پیدا کی ہے کہ اگر تحریرات بنیادی طور پر قراءات آئمہ میں اختلاط کے حوالے سے نکھار کے اوپر بحث کرتی ہیں تو پھر اس کو کوئی علم قرار دینا قطعی طور پر صحیح نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ دین میں غلط قراءات کی صراحتہ اجازت ہے۔ ہماری رائے میں اس حوالے سے دونوں رویوں میں افراط و تفریط موجود ہے۔ وہ اہل علم جو اختیارات قراء کے ضمن میں غلط قراءات کو جائز قرار دیتے ہیں اور اس کی روشنی میں نئے اختیارات بنانے کی گنجائش دیتے ہیں، ان کی نظر میں علم تحریرات میں بنیادی طور پر غلط قراءات سے منع کرنا عمل نظر ہوا ہے

اور انہوں نے کہا کہ اس پہلو سے علم تحریرات کا موضوع بالکل غیر صحیح ہے، کیونکہ تاقیامت نیا اختیار بنانا اور مختلف قراءتوں کو ملا جلا کر پڑھنا جائز ہے۔ ان لوگوں کے بقول علم تحریرات کو ایک مقام دینا تو کجا، تحریرات بذات خود اختیارات ہی کے قبیل کی ایک چیز ہے۔ ان لوگوں کے دعوے کے مطابق مدارس میں قراءات کے سلسلہ میں جو معروف کتابیں یعنی شاطبیہ، درہ اور طیبہ وغیرہ کو بغیر تحریرات کے پڑھنا چاہئے۔ اس کے بالمقابل وہ حضرات، جن کے ہاں اختیارات قراء کی بحث سے قطع نظر مسئلہ خلط قراءۃ کے سلسلہ میں شدت پسندانہ موقف پایا جاتا ہے، وہ علم تحریرات کے بارے میں شدید رائے رکھتے ہیں۔ ہماری رائے میں مسئلہ خلط قراءات کی وضاحت مثبت طور پر ہونا ضروری ہے۔ خلط قراءات کے مسئلہ کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت کا تعلق مسئلہ اختیارات سے ہے اور دوسری جہت کا تعلق مسئلہ علم تحریرات سے ہے۔ مسئلہ اختیارات کی حد تک تو خلط قراءات میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ جب تک خلط قراءات کی گنجائش نہیں دی جائے گی تب تک نئے اختیارات کی اجازت دی ہی نہیں جاسکتی، چنانچہ اگر کوئی آدمی نئے اختیارات بنانے کے حوالے سے مختلف قراءتوں کو خلط کر کے ایک نیا اختیار ترتیب دیتا ہے تو اس میں کسی قسم کے حرج کی بات نہیں ہے، البتہ اس بارے میں ہم نے پیچھے اپنا رجحان یہ پیش کیا تھا کہ نیا اختیار بنانے کی عوام الناس کے لیے تو قطعاً کوئی گنجائش نہیں، جبکہ اہل فن کے لیے بھی نئے اختیارات کی ہم حوصلہ افزائی نہیں کرتے، لیکن خلط کے جواز میں بلا شک و شبہ کوئی کلام نہیں۔ رہا علم تحریرات کے اندر خلط قراءات کا مسئلہ، تو یہاں خلط انتہائی غیر مناسب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علم تحریرات کا اختیارات قراء کی بحث سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ قراء عشر کے بعد بالعموم اختیارات کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ اب لوگ انہی قراء عشر کی مرویات کو بالاتفاق نقل کر رہے ہیں۔ علم تحریرات بنیادی طور پر ان قراء عشرہ کی مرویات میں طرق کے نکھار کا نام ہے، چنانچہ اگر کوئی آدمی ان قراء عشر کی قراءات و روایات کا التزام کر کے پڑھ رہا ہے، مثلاً وہ روایت ورش یا روایت حفص یا روایت قالون کا التزام کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں امام حفص رحمہ اللہ کی روایت پڑھوں گا، اب اگر وہ امام حفص رحمہ اللہ کی روایت میں کسی ایسی شے کو داخل کر کے پڑھے جو ان سے ثابت نہ ہو تو یہ کذب فی الروایہ کی وجہ سے ناجائز ہے۔ اس مسئلے میں اگر زیادہ بے احتیاطی ہو تو اس کو اہل علم انتہائی معیوب قرار دیتے ہیں، لیکن اگر یہ زیادہ اساسی چیزوں پر مبنی نہ ہو، بلکہ تفصیلات میں جا کر ذیلی چیزوں میں جا کر اختلاط کیا جائے اہل فن کے ہاں یہ چیز بھی بہر حال عیب کی بات ہے کہ وہ ایک مسئلے کے اندر بغیر تحقیق کے کوئی روایت پڑھیں، البتہ عوام الناس یا مبتدی طلبہ کے لیے اس کی گنجائش ہے۔ خلاصہ ہم دوبارہ ذکر کیے دیتے ہیں کہ مسئلہ اختیارات کے ضمن میں تو عوام الناس کے لیے نیا اختیار بنانے یا خلط قراءات کرنے کی سرے سے کوئی گنجائش موجود نہیں ہے، البتہ اہل علم کے لیے نیا اختیار بنانا جائز ہے اور اس پہلو سے خلط کرنے کی کوئی قباحہ نہیں ہے۔ رہا مسئلہ علم تحریرات کا تو اس بارے میں خلط قراءات کی وضاحت یہ ہے کہ اگر آئمہ عشرہ کی روایات یا ان کے ذیلی طرق کے حوالے سے ہم کوئی چیز اگر پڑھنا چاہیں تو بغیر اختلاط کے پڑھنا اہل علم اور محققین کے لیے ایک زبور کے مانند ہے اور ان کا اُن لوگوں سے جو اس علم کے اندر تحقیقی مقام نہیں رکھتے سے امتیاز ہونا چاہیے، جبکہ جو لوگ اس فن میں مبتدی ہیں ان کے لیے بہر حال یہ چیز عیب دار نہیں ہے۔ ماہنامہ رشد کے زیر نظر شمارے میں اس موضوع پر ایک مستقل مضمون بعنوان 'مسئلہ خلط قراءات اور علم

تحریرات کافی مقام شامل اشاعت ہے، تفصیل کے شائقین اس طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

سوال نمبر ۱۵: کیا کلام الہی میں اختلاف ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں تو قراءات قرآنیہ میں اختلاف کیوں ہے؟

جواب: قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَوْ كُنَّا مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا غَيْرَ﴾ [النساء: ۸۲] اس اختلاف سے مراد تضاد کا اختلاف ہے، جو منزل من اللہ میں ہونے لگا اور جو اختلاف منزل من اللہ ہوتا ہے وہ توحی پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ فقہ و اصول فقہ میں محکوم فیہ کے تعین کے اعتبار سے واجب کی اقسام یعنی واجب معین اور واجب مخیر کے تحت دی جانے والی تمام امثلہ اسی قبیل سے تعلق رکھتی ہیں۔ واجب مخیر یا واجب غیر معین کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ کی طرف سے مکلف کو دو دو، تین تین اختیارات دیئے گئے ہوتے ہیں، مثلاً کہا جاتا ہے کہ قسم کے کفارہ میں تین چیزوں میں سے کوئی کر لی جائے تو اس کا اختیار ہے۔ اب اس قسم کا اختلاف تو اللہ تعالیٰ نے خود دین میں رکھا ہے، چنانچہ یہ اختلاف وہ والا اختلاف نہیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿وَلَوْ كُنَّا مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا غَيْرَ﴾ [النساء: ۸۲] بلکہ اسے تو اختلاف کہنا ہی نہیں چاہیے، کیونکہ اس اختلاف کو تو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے وحی کی صورت میں اتارا ہے اور ایسا اختیار تو شارع عام طور پر سہولت کے لیے دیتا ہے۔

اس آیت سے مراد وہ اختلاف ہے جو کہ ایک عاقل آدمی کی کلام میں تضاد کے قبیل سے تعلق رکھتا ہے، رہا ایک متکلم اگر اپنی بات کو مختلف اسالیب اور الفاظ کے متعدد چناؤ کے ساتھ ذکر کرتا ہے اور ان تمام اسالیب و الفاظ میں اختلاف محض لفظی ہے تو اسے عقلاء قطعاً اختلاف نہیں کہتے۔ ایسا اختلاف کلام کرنے والوں کی زبانوں میں عام ہے۔ علم الروایہ میں عام طور پر اس قسم کی روایت بالمعنی شاربہ ہوتی ہے، جس کے الفاظ میں تھوڑا بہت اختلاف فطری طور پر موجود ہوتا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اپنی مبارک کلام میں متعدد مقامات پر الفاظ کے فرق کے ساتھ کلام کی ہے، لیکن تمام اسالیب و الفاظ کے اختلاف باوجود معنی میں کوئی فرق نہیں، جیسے قصہ موسیٰ۔

اللہ تعالیٰ کی کلام یعنی قرآن اور قراءات قرآنیہ میں اختلاف تضاد ممکن نہیں اور یہی اس کلام کی حقانیت کی اعلیٰ دلیل ہے۔ البتہ انسانوں کے کلام میں بسا اوقات تضاد ہوتا ہے، جسے انسان اپنی کمزوری کے باعث محسوس نہیں کر پاتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب منزل من اللہ حروف و قراءات میں لوگوں نے بحث و مباحث اور اختلاف کیا تو امام بخاری کی عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آپ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور غصے سے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا، آپ نے فرمایا: «فإنما هلك من كان قبلکم بالاختلاف» [مسند احمد: ۲۰۱/۱] یعنی اختلاف مت کرو، کیونکہ تم سے پہلے لوگ اسی اختلاف کی وجہ سے تباہ ہوئے۔

صحابہ میں قراءتوں کے ضمن میں جو اختلاف ہوا وہ ایسا تھا کہ جس کی نسبت سے اللہ تعالیٰ نے پچھلی قوموں کی تباہی کی بنیادیں بیان فرمائی: ﴿أَفْتَنُوا مَثْنًا بَعْضُ الْكِتَابِ وَكَفَرُوا بَعْضُ﴾ [البقرہ: ۸۵] کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نازل کرتے تو بنی اسرائیل ان کے ماننے میں اختلاف کر بیٹھتے۔ ایسا اختلاف گناہ کبیرہ ہے، بلکہ اگر شعور کے ساتھ ہو تو کفر ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اسی لیے قراءتوں کی قبولیت کے سلسلہ میں فرمایا: «فإن المرء فیہ القرآن کفر» [مسند احمد: ۲۰۵، ۲۰۴، ۲۰۳] یعنی اگر تم ایسا اختلاف کرو گے تو یہ کفر اکبر ہے۔ عبد اللہ بن

مسعود بنی اللہ فرماتے ہیں: مَنْ كَفَرَ بِحَرْفٍ مِنْهُ فَقَدْ كَفَرَ بِهِ كُلُّهُ [تفسیر الطبری: ۵۸/۱] یعنی جس نے حروف سبعہ میں اختلاف کرتے ہوئے ایک بھی حرف کا انکار کیا اس نے تمام کا انکار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان کے زمانہ میں جب لوگوں میں قراءات قرآنیہ میں اس قسم کا اختلاف ظہور پذیر ہوا تو حضرت عثمان نے اسی اختلاف کو ختم کرنے کے لیے مصاحف حکومتی نگرانی میں لکھوا کر مختلف علاقوں میں بھجوائے تاکہ اختلاف منزل کا درست تعین ہو سکے اور لوگوں میں مذکورہ قبیل کے اختلاف کا خاتمہ ہو سکے، چنانچہ عثمانی مصاحف سبعہ احروف کے تمام اختلاف کو شامل تھے اور ان مصاحف کے سامنے آنے کے بعد امت میں بالاتفاق قرآن یا قراءات قرآنیہ کے ثابت ہونے کے ضابطہ میں طے ہو گیا کہ جو اختلاف قراءات رسم عثمانی کے مطابق نہ ہو وہ غیر نازل شدہ ہے، جس سے احتراز واجب ہے۔ الغرض قراءات قرآنیہ کا اختلاف تیسیر کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے اتارا اسی فقہی اصطلاح میں واجب مخیر کی طرح اختلاف مخیر بھی کہا جاسکتا ہے۔

واجب مخیر یا اختلاف مخیر کے قبیل کے احکام کے بارے میں بعض لوگوں نے ایک بڑی عجیب بات اٹھائی ہوئی ہے کہ اللہ کی طرف سے جو چیز بطور سہولت نازل ہوئی ہے ان میں اصل حکم ایک ہی ہوتا ہے، باقی رخصت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اصل قرآن کریم ایک ہی تھا باقی چھ اسالیب تلاوت کی اجازت دراصل بطور رخصت دی گئی تھی، چونکہ یہ رخصت تھی اس لیے اب مشکل باقی نہیں رہی چنانچہ یہ رخصت بھی ختم ہو گئی۔

یہ بات کئی وجہ سے غلط ہے، مثلاً پہلی بات تو یہ ہے کہ حدیث سبعہ احرف میں صراحت ہے کہ «أُنْزِلَ الْقُرْآنُ» یعنی قرآن مجید میں یہ ساتوں اسالیب منزل من اللہ ہیں۔ اسی طرح صحابہ میں قراءتوں کے ضمن میں پیش آنے والے اختلافات کو آپ نے ہکذا اُنْزِلَتْ، ہکذا اُنْزِلَتْ [بخاری: ۳۹۹۲] کے الفاظ ارشاد فرما کر اسے نازل شدہ بھی قرار دیا اور بطور دین قبول کر لیا۔ دوسری بات یہ کہ اب چونکہ مشکل ختم ہو گئی ہے، چنانچہ اب چھ رخصتوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ختم کر دیا ہمیں ختم کر دینا چاہیے۔ یہ بات اس لیے غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو رخصت بطور قرآن اتری ہے، اس کو قیامت تک کوئی ختم نہیں کر سکتا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو ختم نہ کرے۔ اس بات کی دلیل کے لیے واجب مخیر کو بطور مثال سمجھ لیں کہ اگر قسم کے کفارہ میں تین باتوں کی رخصت اللہ کی طرف سے دی گئی ہے تو اگر ساری امت بالاتفاق کہے کہ اب ہمیں دو رخصتوں کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے ہم قرآن وحدیث سے دو کو ختم کر دیتے ہیں یا دین سے نکال دیتے ہیں، تو کیا خیال ہے کہ اس کی کوئی گنجائش ہے؟ تو جب اس کی گنجائش نہیں ہے تو سات حروف جو اللہ کی طرف سے اترے ہیں، اگر یہ اختلاف منزل من اللہ ہے اور ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ﴾ [النساء: ۸۲] کے قبیل سے نہیں ہے تو پھر اس اختلاف میں سے تو ایک لفظ ختم کرنا امت کے کسی آدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔ پوری امت بھی اس رخصت کو ختم نہیں کر سکتی، جو دین نے باقی رکھی ہے۔ نسخ تو اللہ کے رسول بھی خود نہیں کر سکتے بلکہ جو شریعت بھیجے والا ہے اسی کی طرف سے آپ نسخ کا حکم لاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ [الانجم: ۳] اگر رسول اللہ ﷺ ایک چیز کا نسخ نہیں کر سکتے تو سارے صحابہؓ بھی مل کر کیسے کر سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہمیں سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انتہائی انداز اختیار کرتے ہوئے اپنے رسول کی زبان

سے کھلوا: ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلَ، لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ، ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ، فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ﴾ [الحاقة: ۲۴]

مزید برآں یاد رہے کہ نسخ کے بارے میں علمائے اصول کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد نسخ نہیں ہو سکتا، کیونکہ نسخ کا تعلق وحی سے ہے اور آپ کے اس دنیا سے رحلت فرمانے کے بعد وحی کا انقطاع ہو چکا ہے۔ کتب اصول میں صراحت ہے کہ والا جماع لیس بناسخ یعنی ساری امت بھی مل جائے تو کسی شرعی حکم کا نسخ نہیں کر سکتی۔ البتہ کسی حدیث کے مفہوم کے خلاف اجماع امت اگر ثابت ہو جائے تو اصولیوں کے ہاں اس کی توجیہ یوں کی جاتی ہے کہ اجماع کسی نسخ نص کی موجودگی کا قرینہ ہوتا ہے، جو بظاہر ہمارے سامنے نہیں ہوتی، لیکن اجماع خود نسخ بہر حال کبھی نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان یا صحابہ کرام کے بارے میں اس قسم کا عقیدہ رکھنا کہ منزل من اللہ اختلاف قراءات قرآنیہ کو انہوں نے ختم کر دیا تھا، انتہائی بدعتیہ دینی پر مبنی ہے، بلکہ اس پہلو سے تو یہ نظریہ کفر پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ حفاظت قرآن کے مدعی ہیں اور ان کی صفت 'شہید' اور صفت 'المومن' کے باوجود ہمارے یہ کرم فرما ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہو گیا اور نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ کو علم بھی نہ ہو سکا۔ یاد رہنا چاہیے کہ یہی الزام تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں نے ان پر لگا کر ان کو شہید کیا تھا۔

المختصر اختلاف قراءات سے مراد تنوع اور کا اختلاف ہے، تضاد کا نہیں ہے اور اگر کہیں نصوص شرعیہ بشمول قراءات قرآنیہ میں آپ کو اختلاف تضاد محسوس ہو تو بشرط صحت ایسا اختلاف ہمارے نقص فہم کی وجہ سے ہوگا، کیونکہ دین میں حدیث، قرآن یا قراءات قرآنیہ کا باہمی اختلاف تضاد کا ہو ہی نہیں سکتا۔ دلیل اس کی ہے: ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ [النساء: ۸۲] چنانچہ ایسی صورت میں ہمارا انکار کرنا یا قبولیت میں پس و پیش کرنا انتہائی خطرناک ہے کیونکہ اس قسم کے اختلاف سے رسول اللہ نے امت کو ڈرایا ہے۔

سوال نمبر ۱۳: کیا نبی کریم ﷺ کی تعلیم میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے کہ مختلف لوگوں کو آپ نے مختلف طرح سے ایک

چیز بتائی ہو؟

جواب: نبی کریم ﷺ کی تعلیمات خود اپنی ذات کی طرف سے کبھی بھی مختلف نہیں ہوتیں۔ آسمان سے جیسے آپ ﷺ کو وحی کی جائے گی ویسے ہی آپ ﷺ نے بتانا ہے۔ آپ رسول ہیں، آپ کا کام اپنی طرف سے اضافہ کرنا نہیں ہے، بلکہ آپ ﷺ کو جو بتایا جاتا ہے وہی کام آپ نے آگے کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ [النجم: ۳] اگر آسمان سے ایک چیز میں رخصت اترے اور آپ کو کہا جائے کہ آپ کی امت کے لیے اس کو سوات طرح پڑھنا جائز ہے تو رسول اللہ ﷺ اپنی امت کو سوات چیزیں پہنچانے کے پابند ہیں، نہ کہ ہر بات ہر آدمی کو پہنچانے کے پابند ہیں۔ یہ نکتہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ آپ ﷺ نے ہر حکم ہر آدمی کو نہیں پہنچایا، بلکہ صورت حال یہ درپیش رہی کہ جس کو جو مسئلہ درپیش ہوا اس کو بتا دیا۔ بعض لوگوں کو کئی اہم چیزوں کا علم نہیں ہو سکا، حتیٰ کہ آپ ﷺ کی وفات ہو گئی تو لوگوں کو بعد ازاں کئی احکامات کا علم ہوا۔ آپ کی ذمہ داری قرآن کے الفاظ میں یوں تھی: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ﴾ [المائدہ: ۶۷] آپ ﷺ نے اپنا حق رسالت ادا فرما دیا۔ آپ کی

تعلیمات میں اگر اللہ کی طرف سے کوئی اختلاف (اختلاف سے مراد اختلافِ مخیر ہے) کی گنجائش تھی تو آپ ﷺ نے اس کی گنجائش بھی لوگوں تک پہنچائی ہے۔ چنانچہ قراءتِ قرآنیہ کی گنجائش میں اگر آپ ﷺ نے ایک صحابی کو ایک انداز، دوسرے کو دوسرا، تیسرے کو تیسرا اور چوتھے کو چوتھا انداز سکھایا تو اس میں حرج کی کیا بات ہے؟ یہاں تو افضل و غیر افضل کی بحث بھی نہیں ہے۔ قراءتوں کے اختلاف کے ضمن فرمایا: «کلھن شافِ کاف» [نسائی: ۹۳۱] یعنی جو مرضی پڑھ لو، بطور قرآن کفایت کر جائے گا۔ الغرض آپ نے مختلف لوگوں کو مختلف اندازوں سے پڑھایا۔ اگر آپ تمام کو ایک طرح پڑھاتے تب قراءتوں کا اختلاف اُمت تک منتقل نہ ہو پاتا اور اگر ساروں کو سارے اندازوں سے پڑھاتے تو حرج واقع ہوتا۔ البتہ آپ نے جس طرح بھی پڑھایا دیگر لوگوں کے لیے بمصدق «فاقروا ما تیسر» اجازت موجود تھی کہ وہ منزل من اللہ اسالیب میں سے کسی طرح بھی پڑھ سکتے ہیں۔ الغرض یہ سارے پہنچانے کے مختلف انداز ہیں اور آپ نے حق رسالت ادا فرما دیا۔ دین کے آگے منتقل کرنے اور پہنچانے میں آپ ﷺ نے کون سا انداز اختیار کرنا ہے اس میں آپ اللہ کی طرف سے مکلف نہیں تھے کہ آپ نے کس کو کیا سکھانا اور کسی دوسرے کو کیا۔ آپ نے بس پہنچا دیا، کیونکہ اصل کام آپ کا پہنچانا تھا۔ باقی رہا معاملہ یہ کہ عمر اور ہشام بن حکیم دونوں قریشی تھے اور دونوں کو وہ مختلف انداز کیوں سکھائے، جبکہ نزولِ قراءت کا بنیادی مقصد قبائل کے لہجے کے مطابق گنجائش دینا تھا تو اس میں کوئی حکمت ہو سکتی ہے، لیکن اگر کوئی حکمت نہ بھی ہو تو بھی کوئی حرج کی بات نہیں۔ آپ ﷺ کا کام صرف پہنچانا ہے جو آپ نے بدرجہ اتم پورا کیا ہے۔

اس قسم کے اعتراضات کے کئی جواب ہو سکتے ہیں مثلاً اس اشکال کی وضاحت بعض لوگوں نے یوں بھی کی ہے کہ سب سے سب سے لغات کے ضمن میں مرادفات لغات، جیسے حَتَّىٰ وَعَتَّىٰ، متنوع لہجات جیسے امالہ، ابدال، تسہیل وغیرہ اور بلاغت کے متعدد اسالیب و وجوہ، جیسے اختلافات غیب و خطاب وغیرہ تمام شامل ہیں اور روایت میں الفاظ یوں ہیں کہ ہشام بن حکیم بن حزام سورۃ الفرقان کو ”حروفِ کثیرہ“ میں پڑھ رہے تھے تو اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ متعدد حروف پر مشتمل ان کی تلاوت سب سے سب سے متنوع بلاغت کے متعدد اسالیب کے اختلاف پر مشتمل ہو کہ آپ ﷺ نے کچھ وجوہ ہشام رضی اللہ عنہ کو سکھادی ہوں اور کچھ عمر رضی اللہ عنہ کو سکھادی ہوں، چنانچہ کوئی تعارض باقی نہ رہا۔ وہ حضرات جو قراءتِ قرآنیہ کے داخلی اختلافات کی متنوع نوعیتوں سے واقف نہیں ہیں انہیں اس بات کو سمجھنے کے لیے سورۃ الفرقان میں موجود ”قرشی اختلافات“ کا مطالعہ کرنا چاہیے، جس سے اس اختلاف کی نوعیت سمجھنا ممکن ہو سکے گا۔

سوال نمبر ۱۵: سب سے کیا مراد ہے؟ نیز بتائیں کہ دین تو واضح ہے تو یہ مسئلہ اس قدر معرکہ الاراء کیوں ہے؟
جواب: اللہ کے رسول ﷺ جب دُنیا سے تشریف لے گئے تو اس سے قبل دین و ہدایت سے متعلقہ ہر بات کی مکمل وضاحت پیش فرما کر ہی گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جس دین کو آپ ﷺ کے ذریعے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے بھیجا اس کی کیفیت قرآن کے الفاظ میں یہ تھی: ﴿كِتَابٌ أَحْكَمْتُ آيَتُهُ ثُمَّ فَصَّلْتُ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ﴾ [ہود: ۱] یعنی اللہ نے جو دستور اتارا اس کی صفت یہ ہے کہ وہ بالکل دو ٹوک ہے، ثم فصلت کا مطلب یہ ہے کہ وہ

صرف دو ٹوک ہی نہیں ہے، بلکہ مفصل بھی ہے۔ دو ٹوک کا مطلب ہے: Clearcut اور مفصل کا مطلب ہے کہ اس میں وضاحت کا کوئی پہلو باقی نہیں رہا۔ نیز 'من لدن حکیم خبیر' میں غور کریں تو واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے 'من' نہیں فرمایا، بلکہ 'من لدن' کہا۔ لدن میں 'من' کی بہ نسبت اختصاص کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

اس دین میں ایسا دو ٹوک بیان اور تفصیلی وضاحت اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ تھا کہ اپنے بندوں کو جس چیز کا مکلف کرنا چاہتے ہیں وہ بندوں تک ایسی نوعیت اور کیفیت کے ساتھ پہنچے کہ انہیں حجت ہو جائے۔ ﴿يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ [النساء: ۱۶۵] تو حجت رسول کے بجائے اللہ تعالیٰ کی لوگوں پر قائم ہونی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذمہ داری کو بہت خوب پیش فرمایا کہ رسول کو جو شریعت بطور دین دے کر بھیجی وہ احکمت الینہ ثم فصلت سے متصف ہے۔ پھر کلام میں مزید زور دیتے ہوئے اپنی ذات کی ذمہ داری کے پہلو کے بیان کے لیے فرمایا: من لدن حکیم خبیر کہ اس شریعت میں احکام و تفصیل میں کمال اس لیے ہے کہ جس خالق کی طرف سے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیے اسے بھیجا گیا ہے وہ خالق اپنی صفت خبیر کی وجہ سے مخلوق کے شخصی، طبعی، نفسیاتی ہر قسم کے تقاضوں سے روزِ ازل سے بھی واقف ہے اور اپنی صفت حکیم کی وجہ سے حالات کی تبدیلی کے اعتبار سے بھی بات کس طرح بیان کی جانی چاہیے کہ مخاطب کو بات سمجھ آئے سے بھی باخبر ہے۔ ہر بندے کے طبیعت و عادت کے الجھاؤ اللہ تعالیٰ کے سامنے تھے اور اس الجھاؤ کا اللہ نے اپنا دین بھیجے سے پہلے ہی اپنے علم کے اعتبار سے لحاظ کر لیا۔ اور یہ سارا کام کیوں تھا، اس کے حوالے سے فرمایا: لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ، کیونکہ اگر یہ دین ان صفات سے متصف نہ ہوتا تو پھر اتمام حجت نہ ہوتی۔ اگر یہ دین واضح نہ ہوتا تو مقصد تو عبادت کروانا ہے، جس بات پر بندگی بجالانے کا تقاضا ہے اگر وہ واضح ہی نہ ہو، تو اللہ کی حجت کیسے قائم ہوگی۔

اس تناظر میں اب «أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ» [بخاری: ۴۹۹۲] کا مفہوم سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ کے بجائے اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری تھی کہ جب اس بات کو اپنے رسول کی زبان سے اپنی مخلوق تک پہنچایا تو اس کا مفہوم بھی واضح کرے۔ صحابہ میں اس حدیث کا مفہوم اتنا واضح تھا کہ کبھی یہ اشکال پیدا نہیں ہوا کہ سب سب احرف کا مفہوم کیا ہے، حتیٰ کہ آپ روایات دیکھ لیں کہ صحابہ کا حروف و قراءات کے ضمن میں باہمی اختلاف ہوا اور وہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس تصفیہ نزاع کے لیے آئے تو آپ نے فرمایا: «أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ» [بخاری: ۴۹۹۲] آپ ﷺ نے تلاوت کے اس اختلاف کی بابت «هَكَذَا أُنْزِلَتْ، هَكَذَا أُنْزِلَتْ» [بخاری: ۴۹۹۲] فرما کر اس سب کو سب احرف میں شامل کر دیا اور صحابہ کو سمجھ آ گیا کہ سب سب احرف سے مراد قراءتوں اور تلاوت کے متعدد اسالیب کا اختلاف ہے اور یہ منزل من اللہ ہے۔ اس قسم کی تمام روایات میں ایک شے بالکل قطعی ہے کہ سب سب احرف میں زیر بحث اختلاف کا تعلق اداء و تلاوت سے ہے، ناکہ معانی و مفہیم دین سے متعلق اور صحابہ کو اس بارے میں کوئی اشکال نہیں تھا۔ آج ہم بھی جب حدیثیں پڑھتے ہیں تو کبھی دل میں اشکال پیدا نہیں ہوتا کہ «أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ» [بخاری: ۴۹۹۲] کا مفہوم قراءتوں کے اختلاف کے علاوہ کچھ اور ہے۔ ان روایتوں کے سیاق و سباق اور پس منظر سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ میں

معانی قرآن اور بیان دین سے قطع نظر تلاوت قرآن کے ضمن میں یہ اختلافات سامنے آئے، یہی وجہ ہے کہ جب آپ صحابہ کو وضاحت فرماتے کہ «أُنزل القرآن على سبعة أحرف» [بخاری: ۳۹۹۴] تو ساتھ ہی یہ فرماتے: «كلهن شاف كاف، فاقراءوا ما تيسر» [نسائی: ۹۴۱]۔ فاقراءوا کا مطلب ہے کہ پیچھے بحث قراءات کے اختلاف کی چل رہی تھی اور اس ضمن میں آپ کا قرآن کو سب سے آواز پر نازل ہونے کی اطلاع دینے کا تعلق بھی قراءات کا بیان ہی تھا۔

در اصل سبعہ احرف کے الفاظ مختلف النوع مسائل کے ضمن میں مختلف احادیث سے وارد ہوئے ہیں، جن میں سے بعض روایات میں سبعہ احرف کے ذکر کے بعد سات قسم کے معانی کا بھی ذکر ہے، لیکن ان روایات کا کوئی تعلق قراءتوں کے ضمن میں وارد شدہ سبعہ احرف سے نہیں۔ سبعہ احرف بمراد سبعہ معانی کے اعتبار سے بعض لوگوں نے سبعہ احرف کا مفہوم بیان کیا ہے، لیکن جب بعض متاخرین نے سبعہ احرف کی تشریحات کو اکٹھا کیا تو تمام انواع کی احادیث میں وارد شدہ سبعہ احرف کی جمیع تشریحات کو ایک مسئلہ کے ضمن میں پیش کر دیا، جس سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ سبعہ احرف کی تفسیر میں علماء کے مابین بہت اختلاف ہے، حالانکہ امر واقعہ میں ایسا نہیں۔ اس لیے سبعہ احرف سے متعلقہ احادیث کی تشریح سے قبل اس بات کو ضرور جان لینا چاہیے کہ سبعہ احرف کے ضمن میں وارد شدہ روایات پانچ مختلف النوع مسائل سے متعلق ہیں، جن کو اپنی اپنی سلسلہ کے مابین قاری و عالم شیخ القراء مولانا قاری طاہر رحمہ اللہ نے علیحدہ علیحدہ نکھار کر اپنی تصانیف میں بیان کر دیا ہے، چنانچہ جن سبعہ احرف کا تعلق سبعہ معانی سے ہے، وہ ان سبعہ احرف سے الگ ہیں جن کا تعلق اختلاف قراءات سے ہے۔ وہ احادیث علیحدہ ہیں اور یہ علیحدہ ہیں۔ پھر واضح رہے کہ سبعہ احرف بمراد سبعہ معانی سے متعلق روایات استنادی اعتبار سے پایہ ثبوت کو بھی نہیں پہنچتیں، اس لیے قراء کرام یا محدثین عظام کو کبھی بھی سبعہ احرف بمعنی قراءات کو سمجھنے میں اشکال نہیں ہوا۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں جب بھی سبعہ احرف کے ابواب قائم کیے تو سبعہ احرف بمراد سبعہ قراءات جیسی احادیث ہی لے کر آئے ہیں۔

یہ مسئلہ الحماۃ کا باعث کیوں بنا؟

سبعہ احرف موجودہ قراءات کے اندر موجود ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ قراءات میں کہاں موجود ہیں؟ اس موضوع پر پیچھے مفصل بحث ہو چکی ہے کہ آپ کے ارشاد: «فاقراءوا ما تيسر» کے مطابق اور ہشام بن حکیم بن حزام رحمہ اللہ وغیرہ صحابہ کا اسی اجازت کی روشنی میں قرآن کریم کو ”حروف کثیرہ“ پر پڑھنا کی روشنی میں بعد ازاں سبعہ احرف آپس میں خلط ملط ہو کر اب نئے سینکڑوں انداز تلاوتوں (sets) میں ڈھل گئے ہیں، البتہ یہ تمام سیٹ منزل من اللہ سات اسالیب تلاوت سے باہر نہیں اور اب سبعہ احرف کو صرف انہی اسالیب میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ اختلاف اس میں نہیں ہے کہ حروف کی تفسیر قراءات سے کی جائے یا معانی سے، بلکہ اہل علم کے ہاں سبعہ احرف میں صرف سات اسالیب کے تعین میں اختلاف ہے کہ وہ سبعہ اسالیب کون کون سے ہیں؟ سبعہ احرف جب مروجہ قراءات میں ڈھلے ہیں تو اب سینکڑوں سیٹ بن گئے ہیں، اب جو مابعد اختلاف موجود قراءتوں کو سامنے رکھ کر سبعہ احرف کی تشریح کرنے کی کوشش کر رہے ہیں انہیں اس کا مفہوم سمجھنے و سمجھانے میں

بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ سینکڑوں ترمیمات تلاوت میں موجود بنیادی سببہ احرف کے سات اسالیب سے قطع نظر غور ہو رہا ہے کہ سببہ احرف کون کون سے ہیں، حالانکہ مشکل یہ ہے کہ بہر حال مروجہ قراءات قرآنیہ متواترہ سات اسالیب سے زیادہ ہیں۔ متاخرین میں یہ اختلاف بہت ہی پھیلا ہے۔ اس سلسلہ میں امام الفن ابن جزری رحمہ اللہ کا ایک معروف قول یوں ہے کہ میں تیس سال اس حدیث میں غور کرتا رہا، حتیٰ کہ ان احادیث کا ایک معنی مجھ پر اللہ تعالیٰ نے منکشف فرمادیا۔ امام جزری رحمہ اللہ، جو قراء حضرات کے مسلک امام ہیں، ان کے اس قسم کے انداز سے یہ عام طور پر بہت ہی الجھی کہ حدیث سببہ احرف اتنی مشکل ہے کہ امام ابن جزری رحمہ اللہ تیس سال کے عرصہ کے بعد ایک مناسب توجیہ سمجھ جان پائے۔ ہماری رائے میں امام ابن جزری رحمہ اللہ سمیت عام اہل فن کی طرف سے دی گئی وضاحت دراصل بنیادی سببہ احرف کے بجائے ان قراءتوں کے تناظر میں سببہ احرف کی تشریح ہے، جو خیر القرون ہی میں خلط ملط ہو کر سینکڑوں قراءاتوں میں ڈھل گئیں تھیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ سببہ احرف کی تعریف میں یہ الجھاؤ دین و شریعت کا نہیں ہے، بلکہ یہ الجھاؤ سببہ احرف کو خلط ملط کرنے سے پیدا ہوا ہے۔

امام ابن جزری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تیس سال تک میرے غور کے نتیجہ جو معنی مجھ پر منکشف ہوا وہ یہ ہے کہ سببہ احرف سے مراد اختلاف قراءات کی سات وجوہ ہیں۔ ان کے مطابق مروجہ قراءات کے مجموعہ اختلاف میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام قراءات سات وجوہ اختلافات سے باہر نہیں۔ پھر انہوں نے اپنے تیس سال کے حاصل استقراء کو پیش کرتے لغات و لہجات کو ایک حرف اور چھ قسم کے مزید اختلافات کو چھ حروف قرار دیا ہے۔ امام ابن جزری رحمہ اللہ کی طرح جو لوگ سببہ احرف سے مراد سببہ اوجہ لیتے ہیں، ان میں سے بعض لوگوں کا حافظہ ابن جزری رحمہ اللہ کی سات وجوہ قراءات سے اگرچہ تعبیر کا کچھ فرق ہے، لیکن اس معمولی اختلاف سے قطع نظر اپنے موقف کے اعتبار سے یہ تمام لوگ ایک ہی تشریح پر متفق ہیں۔

دیگر کئی اہل علم کو اس تشریح سے اتفاق نہیں، لیکن ان کا یہ اختلاف تضاد کا نہیں، بلکہ محض تعبیر بیان کا ہے، کیونکہ موجودہ قراءات عشرہ کے بارے میں سارے ہی اس بات پر متفق ہیں کہ سببہ احرف کا مصداق یہ قراءتیں ہیں، اختلاف صرف سببہ احرف کے تعین میں ہے۔ جبکہ ابن جزریؒ اور دیگر اہل علم کی خدمات اپنی جگہ پر، لیکن یہ سارے لوگ سببہ احرف کے حوالے سے بعد میں جو کہانی بنی ہے اس کو دیکھ رہے ہیں، حالانکہ سببہ احرف کی تشریح کا یہ الجھاؤ تو پیدا ہی بعد میں ہوا اور اگر شروع میں خلط قراءات ہوا ہی نہ ہوتا تو یہ الجھاؤ یا سوال بھی کبھی نہ ہوتا کہ سببہ احرف سے مراد کیا ہے؟ اب بھی اگر اس الجھاؤ کو ختم کرنا ہے، تو بالکل ابتداء میں چلے جائیں، حل مل جائیگا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ میں اس سلسلہ میں کبھی الجھاؤ پیدا نہیں ہوا کہ سببہ احرف کی تعین کی جائے۔

اب ہم سببہ احرف کی تعین اساس سے کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو رائے ہم بیان کریں گے وہ بھی غیر معروف نہیں اور اس کے قائلین کو اہل علم و اہل فن کے ہاں نمایاں ترین مقام حاصل ہے، بلکہ اس رائے کا امتیاز یہی ہے کہ اس کے قائلین مثلاً ابو محمد علی ابن طالب القنسی، امام ابو عمرو دانی، امام طبری رحمہ اللہ وغیرہ بالعموم ابتدائی دور کے لوگ ہیں۔ البتہ پہلے قول کی طرح ان لوگوں کی آراء میں بھی ذیلی طور پر معمولی اختلاف ہے، لیکن بالعموم یہ تمام لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ سببہ احرف سے مراد سببہ لغات ہیں۔ ہماری رائے میں بھی یہ توجیہ ورائے

ب



269

تھا، جبکہ قراءتوں کا اختلاف مدینہ میں اتر اہے، کیونکہ حدیث جبریل ومیکائیل اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا ان سے مکالمہ بنی غفار کے تالاب کے پاس ہوا تھا اور بنی غفار مدینہ میں بسنے والے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ اسی طرح قراءتوں کے ضمن میں صحابہ میں جو اختلاف ہوا وہ مسجد میں ہوا تھا، جبکہ مسجدیں مکہ میں نہیں تھیں۔ مکہ مکرمہ میں صحابہ کرام تیرہ سال قرآن کریم پڑھتے رہے، تو وہ قرآن کے کسی نہ کسی حرف کی تلاوت تو تھی، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حروف کی تفسیر سب سے کی جائے تو امام ابن جزری رحمہ اللہ وغیرہ کے مطابق کوئی ایک حرف بھی لے لیں تو ثابت ہوتا ہے کہ مکہ میں ابتدائے نزول قرآن ہی سے صحابہ متعدد قراءتوں میں پڑھتے تھے۔ مکہ میں قرآن کریم کے پڑھنے کا انداز کوئی ایک حرف لے لیں تو وہ یا تو تقدیم و تاخیر کا حرف بنتا ہے یا حذف و اثبات کا حرف بنتا ہے یا تبدیلی حرکات کا حرف بنتا ہے یا متعدد لہجوں کا حرف بنتا ہے، قرآن کریم کا کوئی ایک سیٹ بہر حال نہیں بنتا۔ مکہ میں قرآن کریم تو اسی طرح سے پڑھا جاتا تھا کہ جب قرآن پڑھیں تو وہ قرآن کی پوری سورت غنی چاہئے، مثلاً سورۃ الفرقان کی ہے تو مکہ میں سورۃ الفرقان پڑھی جاتی تھی تو اس وقت یہ ایک حرف پر پڑھی جاتی تھی۔ وہ ایک حرف کون سا تھا؟ اگر آپ ان سات میں سے کوئی ایک حرف لے لیں تو سورۃ الفرقان نہیں بنتی، کیونکہ سات حرفوں میں سے کوئی حرف پورے قرآن کے اعتبار سے حرف کی تشریح نہیں ہے۔ اس ضمن میں حدیث سب سے اوجہ اور الفاظ «کلھن شاف کاف» [نسائی: ۹۴۱] بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں، کیونکہ ان سے مقصود یہ ہے کہ حروف سب سے ہر حرف تلاوت قرآن سے کفایت کرتا ہے۔ جب ہم حروف کی تفسیر ایک مکمل سیٹ کے اعتبار سے نہیں کرتے تو اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ «کلھن شاف کاف» [نسائی: ۹۴۱] کا معنی کیا ہوگا؟ بات کو سمجھانے کے لیے عملی اعتبار سے کچھ مزید وضاحت کرتا ہوں کہ مثلاً اگر سب سے اوجہ والا قول سب سے اوجہ الحرف کی تشریح مانیں تو مکہ میں تو بہر حال ایک حرف پڑھ کر قرآن پڑھا جاتا تھا۔ اب اگر آپ وہ حرف غیب و خطاب والا لے لیں تو یہ بات بہر حال قطعی ہے کہ یعلمون، تعلمون دونوں مکہ کے اندر نہیں تھے، مکہ میں تو صرف ایک تھا۔ اسی طرح اگر آپ حرکات و سکنات کے اختلاف کا حرف لے لیں تو یُکَذَّبُونَ، یُکَذَّبُونَ دونوں میں سے کوئی ایک مکہ میں مقروء تھی دوسری نہیں۔ اسی طرح اگر آپ متعدد لہجات والا ایک حرف مراد لہجات لیتے ہیں، تو لہجات میں تسہیل و تحقیق، ابالہ و عدم ابالہ، ادغام و اظہار وغیرہ لہجات شامل ہیں۔ اب مکہ میں پڑھے جانے والے قرآن میں یہ سارے لہجات قطعی طور پر مقروء نہیں تھے۔

سب سے اوجہ ہر اوجہ سب سے اوجہ حروف کی تشریح نہیں بلکہ پورے قرآن کے اندر انقصاء و استقراء کے بعد اضافی طور پر متنوع اختلافات کی ایک توجیہ ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ حروف سب سے اصل مراد لغات و لہجات کا اختلاف تھا، جن میں ضمنی طور پر لغات ہی کے قبیل سے بلاغت سے متعلق بعض دیگر اختلافات بھی آگئے تھے اور مکہ میں جس حرف کے مطابق قریشی و دیگر قرآن کی تلاوت کرتے تھے وہ لغت قریشی تھا، ناکہ سب سے اوجہ میں سے کوئی وجہ اختلاف۔

۳ اہل علم جانتے ہیں کہ ابتداء قرآن کریم میں اختلاف قراءت موجود نہیں تھا بلکہ بعد ازاں آپ ﷺ کی دعاؤں سے نازل کیا گیا۔ اس سلسلہ میں معروف روایت حدیث جبریل ومیکائیل ہے کہ وہ دونوں آپ ﷺ کے پاس بنی

غفار کے تالاب کے پاس تشریف لائے۔ حضرت میکائیل نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کی آسانی کے لیے ایک حرف سے زائد پر قرآن کریم کو پڑھنے کی دعا کیجیے۔ تو اللہ کے رسولؐ نے باقاعدہ دعا کر کے ان حروف کو لیا۔ اب دوسرا حرف آیا، پھر تیسرا آیا اور چوتھا آیا، پھر پانچواں، پھر چھٹا اور پھر ساتواں حرف آیا۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ سات حروف جو ایک ایک کر کے اترے ہیں، یہ ایک ایک مکمل قرآن کے حروف تھے یا سات حروف ان شکلوں پر اترے، جو سب سے اوپر کے قائلین بیان کرتے ہیں۔ اگر یہاں مراد یہ سات اوجہ والی تفسیر لی جائے تو غیر مناسب معلوم ہوتی ہے، کیونکہ یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث جبریل و میکائیل تقاضا کرتی ہے کہ ہر ایک حرف آسمانوں سے منفصل نازل ہوا ہے۔ منفصل کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی دعا پر پہلے ایک حرف پر پورا قرآن اترتا، پھر دوسرا اترتا، پھر تیسرا اترتا۔ یہ نہیں ہوا کہ پہلی بار دعا کی: «إِن أَمْسَى لَا تَطِيقُ ذَلِكَ» [مسلم ۸۲۱] تو حذف و زیادت کا حرف اتر آیا۔ آپ نے پھر کہا کہ امت ابھی بھی طاقت نہیں رکھتی تو اس کے بعد تقدیم و تاخیر کا حرف اتر آیا، مزید کہا کہ طاقت نہیں رکھتی تو حرکات کے اختلاف کا حرف اتر آیا۔ اگر روایات کو دیکھیں تو وہ بیان کرتیں ہیں کہ سب سے اوپر کا ہر حرف مکمل قرآن کی تلاوت کا ایک مکمل سیٹ ہے اور ہر ایک حرف دوسرے سے منفصل حالت میں اترتا ہے اور آپ کی بار بار دعا کے نتیجے میں ایک ایک کر کے حروف کی بالآخر سات تک پہنچ گئی تو آپ نے مزید دعا نہیں کی۔ یہ سات انداز تلاوت قرآن مجید کے سات مستقل اسلوب تلاوت تھے، یہ نہیں کہ تمام کو ملا کر ایک انداز تلاوت بننا تھا یا تمام کو ملا کر دو انداز تلاوت بنتے تھے وغیرہ۔ سب سے اوپر اوجہ کی تعبیر کے مطابق بنیادی حرج ہی یہ واقع ہوتا ہے کہ جب تک تمام وجوہ سب سے اوپر ملایا نہ جائے، قرآن کا ایک مکمل سیٹ بھی نہیں بن پاتا۔ قراءات عشرہ متواترہ کی بیس کی بیس روایات ہوں یا ان کے ذیلی اسی طرح، ان تمام اوجہ کو یک مشت ملائے بغیر کوئی ایک کامل حرف بھی تلاوت قرآن کا ایک مکمل سیٹ نہیں بنتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے سب سے اوپر اوجہ کو مراد لیا ہے انہوں نے دراصل اختلاط کے بعد وجود میں آنے والی روایات کا تجزیہ کرتے ہوئے مجموعہ روایات کے اختلاف کا استقراء کرتے ہوئے سات قسم کی وجوہ قراءات کی کو جیب کی، جبکہ قبل از اختلاط نازل ہونے والے سب سے اوپر اوجہ میں سے ہر ایک حرف تلاوت قرآن کا ایک مکمل سیٹ تھا۔

لوگ جب ہم سے سوال کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ سب سے اوپر کہاں ہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ وہ موجودہ قراءات عشرہ متواترہ میں ہیں۔ دوبارہ سوال ہوتا ہے کہ قراءات تو سات سے زیادہ ہیں تو سب سے اوپر اوجہ قراءات میں کیسے ہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ وہ تو خلط ملط حالت میں قراءات میں موجود ہیں، ایک ایک منفصل حالت میں موجود نہیں اور اب وہ سات حروف سات نہیں رہے، بلکہ خلط ملط ہو کر کئی بن گئے ہیں اور وہ خلط ملط ہونے سے قبل سات تھے اور وہ آسمانوں سے اسی طرح منفصلاً کامل قرآن کی صورت میں اترے تھے کہ ان میں سے ایک حرف مکمل میں پڑھا جاتا رہا، جبکہ باقی مزید چھ حروف مدینہ میں آ کر نازل ہوئے۔

③ سب سے اوپر اوجہ لغات یا سب سے اوپر لہجات کی تفسیر سب سے اوپر اوجہ کے شان نزول سے ثابت ہے، جبکہ سب سے اوپر اوجہ استقرائی تشریح ہے۔ اصول تفسیر پڑھنے پڑھانے والے جانتے ہیں کہ شان نزول سے آیت کی

تشریح تفسیر کا ایک مسلمہ اُسلوب ہے۔ اسی بنیاد پر سلف کے ہاں تفسیر صحابہ تفسیر بالماثور میں داخل ہوتی ہے، کیونکہ شان نزول اگرچہ حدیث نہیں ہوتا، لیکن نزول قرآن کا عرف ہوتا ہے جو فہم قرآن یا فہم حدیث میں انتہائی مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے مقدمہ اصول تفسیر میں واضح کیا ہے کہ علمائے اصول کا اتفاق ہے کہ جب کسی آیت کی تشریح میں دو مختلف باتوں کا امکان ہو تو شان نزول کے ذریعے جو معنی تعین ہوگا اسے بہر حال ترجیح ہوگی۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے مثال پیش کی ہے کہ اگر کسی جگہ قسم کے بارے میں کوئی اختلاف ہو جائے اور قسم کی نوعیت کا تعین نہ ہو رہا ہو کہ قسم کھانے والے نے کس نوعیت سے قسم کھائی ہے اور قاضی کے سامنے اس کا فیصلہ چلا جائے تو قاضی اس نوعیت کا فیصلہ اس سے کرے گا کہ قسم کھانے کی تحریک کس وجہ سے واقع ہوئی تھی اور جس وجہ سے قسم کھانے کی تحریک واقع ہوگی اس تناظر میں قسم کی نوعیت کا تعین کیا جائے گا اور اس کی روشنی میں قاضی فیصلہ کرے گا۔ سب سے احرف یا قراءتوں کے شان نزول کے سلسلہ میں اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ نزول سب سے احرف کا سبب مختلف قبائل عرب کے بولنے کے متنوع اُصول یا سبب کا فرق بنا تھا۔ اسی طرح یہ بات بھی واضح ہے کہ سب سے احرف کی تشریح میں موجود مختلف اقوال سب سے احرف کی مراد کے سلسلہ میں معنوی اختلافات کے قبیل سے تعلق رکھتے ہیں، چنانچہ جس تشریح کو شان نزول کی تائید حاصل ہے اسے ہی بہر حال ترجیح ہونی چاہیے۔

اہل علم نے قبائل عرب میں سے ان بڑے قبائل کا تعین کرنے کی کوشش بھی کی ہے، جن کی رعایت رکھتے ہوئے سات لغات اتریں۔ اسی طرح موجودہ قراءات عشرہ میں موجود لہجوں سے متعلق اختلافات، جنہیں اہل فن اختلاف قراءات کے اصولی اختلافات کا نام دیتے ہیں، کے بارے میں محنت کی ہے کہ واضح کریں کہ کونسا کونسا اختلاف کس کس قبیلہ کی لغت سے تعلق رکھتا تھا۔

الخصر سب سے احرف کا مصداق موجودہ قراءات عشرہ ہیں، کیونکہ سب سے احرف انہی قراءات و روایات میں ڈھل کر ہم تک پہنچے ہیں۔ امام ابو محمد علی رحمہ اللہ اور امام دانی رحمہ اللہ وغیرہ کا قول عام فہم اور سمجھنے کے اعتبار سے زیادہ سہل ہے اور اس میں الحمد للہ بے جا تکلف بھی نہیں ہے۔

کیا سب سے احرف میں صرف لہجات سے متعلق اختلاف ہی ہے؟

عام اہل فن کی طرف سے سب سے احرف بمعنی سب سے احرف لغات پر بنیادی اعتراض یہ ہے کہ موجودہ قراءات عشرہ میں لہجات کے علاوہ اور بھی کئی نوعیتوں کے اختلافات ہیں۔ سب سے احرف کے قائلین کے ہاں بھی ان دیگر اختلافات کو چھ حرف کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے، جبکہ لہجات ان کے صرف ایک حرف میں شامل ہیں۔

اس اشکال کا بڑا سادہ جواب یہ ہے کہ نزول قراءات کا اصل سبب تو عربی زبان میں لہجوں کا اختلاف تھا، لیکن دین و شریعت میں یہ اُسلوب عام ہے کہ ایک مشکل لوگوں کو درپیش ہوتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ جب اس کے حل کے لیے وحی بھیجتے ہیں تو اس مشکل کے ضمن میں بعض ایسی دیگر مشکلات بھی حل کر دیتے ہیں جو لوگوں نے مانگی نہیں ہوتی اور اللہ کا اپنے بندوں سے یہ معاملہ احسان، فضل و کرم اور محبت کے قبیل سے ہوتا ہے۔

اس بارے میں تو سب متفق ہیں کہ نزول سب سے احرف کا اصل پس منظر تو لہجات کی مشکل تھی، لیکن جب لہجات

جواب: شریعت میں جب کسی جگہ پر کوئی عدد بول کر شارع کوئی حکم بیان کرے تو اصولیوں کا موقف یہ ہے کہ اس عدد سے مراد پھر قطعی طور پر وہی متعین عدد مراد ہوگا، جیسے دین کہتا ہے کہ غیر شادی شدہ اگر زنا کرے تو ﴿فاجلدوا کل واحد منها مائة جلدة.....﴾ [النور: ۲] تو یہاں مائۃ سے مراد سو سے کم یا زیادہ کوڑے نہیں بلکہ مائۃ کی دلالت سو کے عدد پر قطعی ہے۔ یہ لفظ اصطلاحی طور پر خاص ہے اور خاص کی دلالت اپنے مفہوم پر بالاتفاق اصولیین قطعی ہوتی ہے۔ اسی طرح اصولیوں کے ہاں کسی لفظ سے مجازی معنی مراد لینے کے لیے دلیل صارف ضروری ہے، جو تقاضا کرے کہ یہاں لفظ سے حقیقی معنی مراد لینے کے بجائے مجازی معنی مراد لیے جائیں اور چونکہ یہاں کوئی ایسی دلیل موجود نہیں، اس لیے «أَنْزَلَ الْقُرْآنَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ» [بخاری: ۴۹۹۲] سے مراد سات کا عدد ہی ہے۔ سات سے مراد ستر یا کثرت کسی صورت میں مراد نہیں ہو سکتا، بلکہ دلیل یعنی حدیث جبریل ومکائیل تو اس کے خلاف صراحۃً دلالت کر رہی ہے کہ اس میں واضح طور پر موجود ہے کہ ایک ایک کر کے عدد سات تک جا پہنچا اور پھر آپ نے مزید کا تقاضا نہیں کیا۔

یہ مسئلہ اچھا خاصا معرکتہ الاراء بنا ہوا ہے، لیکن محمد رسول اللہ ﷺ جس دین کے ہمراہ تشریف لائے، آپ کا کام صرف دین پہنچانا نہیں تھا، بلکہ آپ کا کام بمصدق قرآن: ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ [النحل: ۴۴] دین کی تبيين بھی تھا اور رسول اللہ ﷺ اس ذمہ داری کو مکمل اداء فرما کر گئے۔ آپ نے دنیا سے رحلت فرما کر جانے سے قبل فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم ان دونوں پر تمسک کر لو تو کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے اور وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر وہ واضح نہیں ہیں تو کسی طور پر بھی اس کے ساتھ تمسک کا معنی متعین نہیں ہوتا۔ اب مسئلہ صرف اتنا ہے کہ بسا اوقات تبدیلی حالات کے اندر بعض ایسے اشکالات پیدا ہو جاتے ہیں جو دین کے اشکالات نہیں ہوتے، بلکہ ہمارے اپنے کچھ فقہی یا شرعی مسائل ہوتے ہیں۔ بعد ازاں کچھ اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں اس کی وجہ سے ابہام پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سبعة احرف کے سلسلے میں کچھ ابہام پیدا ہوئے اور اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ﴿فَأَقْرَءَا مَا تَنَزَّلَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ [المزمل: ۲۰] کے تحت مختلف قراءات کو آپس میں ملا جلا کر پڑھنے کی دین میں جو اجازت دی گئی تھی اور جس کے مطابق صحابہ اور تابعین نے پڑھنا شروع کیا تو ہم جانتے ہیں کہ سینکڑوں کی تعداد میں قرآن مجید کے انداز نئے ترمیمات تلاوت اور سیٹ تشکیل پا گئے۔ اب سبعة احرف کی تشریح کا جو مسئلہ پیدا ہوا ہے تو اس بارے میں اگرچہ اس بارے میں امام زرکشی رحمہ اللہ اور امام سیوطی رحمہ اللہ وغیرہ نے ۳۵۰ کے قریب اقوال نقل کئے ہیں، لیکن اقوال کی کثرت سے ہمیں پریشان نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ اقوال کی کثرت کی بنیاد پر اگر قرآن کی کسی آیت یا کسی حدیث میں تشکیک پیدا ہو جائے تو سبعة احرف کی تشریح میں وارد اقوال سے زیادہ اقوال بعض مقامات پر ملتے ہیں، مثلاً اگر ہم تفاسیر دیکھیں تو ایک ایک آیت کی تفسیر میں بسا اوقات ۷۰، ۷۰، ۷۰ تفاسیر موجود ہیں۔ اسی طرح معروف مسئلہ جمعہ کے اندر ایک گھڑی آتی ہے جس میں جو بھی دعا کی جائے وہ قبول کی جاتی ہے، اس کے بارے میں امام ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں علماء کے چالیس قول نقل کئے ہیں کہ یہ گھڑی کون سی ہے۔ اب چالیس اقوال سے یہ بات تو لازم نہیں آئے گی کہ اس حدیث کے اندر شکوک

پیدا ہو جائیں۔ عام طور پر علماء کے اختلافات کو حل کرنے کے لیے عام اسلوب یہی ہے کہ دلائل کے اعتبار سے کسی بھی قول کو ترجیح دی جاتی ہے۔ یہاں جب ہم اقوال کا جائزہ لیتے ہیں تو اقوال کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں۔ کچھ اقوال ایسے ہیں جو سب سے مراد پڑھنے کے اسالیب کی سات قسمیں مراد لیتے ہیں اور کچھ اقوال ایسے ہیں جو سب سے مراد پڑھنے کے اسالیب کی سات قسمیں مراد لیتے ہیں۔ جو لوگ سب سے مراد معانی کی سات اقسام لیتے ہیں، ان کے سامنے کچھ ایسی روایات موجود ہیں جن میں اللہ کے رسولؐ کے حوالے سے ذکر ملتا ہے کہ سب سے مراد پڑھنے کا مفہوم آپ نے امر، نہی وغیرہ بیان کی ہیں، لیکن اول تو یہ روایات ضعیف ہیں، لیکن اگر یہ ثابت ہوں بھی تو، جیسا کہ علماء نے لکھا ہے کہ، اس کا مکمل اور ہے۔ بہر حال سب سے مراد معانی سے متعلق تمام اقوال کا کوئی تعلق سب سے مراد پڑھنے کے اسالیب قراءات سے نہیں۔ اب جو باقی اقوال رہ گئے ہیں، انہیں غور کریں تو باقی اقوال بنیادی طور پر دو بنیادی قولوں میں شامل ہیں، جن کے بارے میں مکمل تجزیہ پیش ذکر کیا جا چکا ہے، لیکن ایک بات ضرور قابل توجہ ہے کہ جتنے بھی اقوال سب سے مراد پڑھنے کے اسالیب قراءات کے سلسلہ میں مروی ہیں، اگرچہ ذیلی طور پر ان میں کافی اراء ہیں لیکن سب کا ایک بات پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید کے پڑھنے میں متنوع اسالیب موجود ہیں۔ ساروں کا ایک بات پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید کے پڑھنے کا ایک اسلوب نہیں ہے۔ اس کو اصولیوں کی اصطلاح میں اجماع مرکب کہتے ہیں اور اجماع مرکب کے بارے میں ہمارا موقف ہے کہ اس سے انحراف جائز نہیں۔ خاص طور پر کثرت اقوال کی بنا پر اس حدیث کو متناہیات کہنا تو بالکل صحیح نہیں۔

ت

دوسری بات بڑی اہم یہ بھی سامنے دینی چاہئے کہ یہ جو ۴۰ قول پیش کئے جاتے ہیں ان کے بارے میں عام ذہنیت یہی ہے کہ یہ چالیس افراد کے چالیس اقوال ہیں، لیکن جب امام سیوطیؒ کی الاتقان وغیرہ کو کھولتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ اقوال کئی افراد کی نسبت سے بیان نہیں کئے، بلکہ یہ اقوال صرف چند افراد کے غور و فکر کے احتمالات ہیں۔ اس کی وضاحت حافظ محمد زبیرؒ کے جاوید غامدی کے قراءات سے متعلقہ نظریات کے رد پر لکھے گئے مضمون میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ایک آدمی کے مختلف اقوال بطور احتمالات پیش کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی نتیجے پر پہنچ نہیں پایا اور اگر وہ کسی نتیجے پر پہنچ جائے تو ایک ہی قول پیش کرتا ہے۔ کسی آیت یا حدیث کا مفہوم متعین کرنا دراصل فقہاء و مفسرین کا میدان ہے، قراء بھی اس سلسلہ میں اپنی رائے دے سکتے ہیں، لیکن جن کا یہ میدان ہے کہ وہ سب سے مراد پڑھنے کا مفہوم لہجوں و لغتوں سے متعین کرتے ہیں۔ مفسرین کا یہ ضابطہ ہے کہ تعبیر کے اختلاف کو اختلاف تنوع پر محمول کیا جائے گا۔ اگر ہم سب سے مراد پڑھنے کی تشریح کے ضمن میں موجود اختلاف کو بھی اختلاف تضاد محمول کرنا شروع کر دیں گے، تو پھر خیر القرون کی تفاسیر میں بھی ایسے ایسے اختلافات سامنے آئیں گے، جنہیں تنوع کا اختلاف کہہ سکتا ممکن نہ رہے گا۔ اسی طرح امام جزریؒ کا قول ہو یا امام دانیؒ کا، ہر ایک میں اختلاف تضاد نہیں ہے، فقط تعبیر کا اختلاف ہے، کیونکہ سب سے مراد پڑھنے کے بارے میں اتفاق ہے کہ وہ موجودہ قراءات میں موجود ہیں، نیز مروجہ قراءات کے جمیع اختلافات کے بارے میں اتفاق ہے کہ وہ سب سے مراد پڑھنے کے اختلاف سے باہر نہیں ہیں۔

سوال نمبر ۵: اگر قراءات احادیث کی طرح آئمہ کی مرویات کا نام ہے، تو حدیث کی طرح اس کی آسانید کیوں نہیں؟

جواب: یہ بات غلط فہمی اور کم علمی پر مبنی ہے کہ قرآن اور اسی کی قراءات بدون سند سیدہ بہ سیدہ اُمت میں منتقل ہو رہی ہیں۔ یہ مغالطہ ہمارے ہاں سکرلر حضرات کے ہاں عام ہے کہ قرآن خبر کے طریقہ سے اُمت میں منتقل نہیں ہوا۔ فرقہ فرہابیہ نے تو اسی غلط بنیاد پر ایک نیا فلسفہ گھڑ لیا ہے کہ حدیثیں چونکہ خبر کے ذریعے سے اُمت تک منتقل ہوئیں چنانچہ وہ مجموعہ رطب و یابس ہیں، اسی لیے وہ سنت و حدیث میں یوں فرق کرتے ہیں کہ سنت تو دین کی وہ روایت ہے جو آسانید سے قطع نظر مثل قرآن کے اُمت کے اتفاقی تعامل (نام نہاد تو اتر علی) سے ہمیں موصول ہوئی، جبکہ حدیث مجموعہ اخبار ہے۔ بہر حال یہ جہالت پر مبنی مغالطہ امیز بات ہے۔ اگر اس کی بنیاد یہ چیز بنی ہے کہ قرآن مجید کے حوالے سے عام طور پر آسانید عوام الناس یا عام اہل علم میں معروف نہیں، تو اس طرح تو کئی احادیث اور کتب احادیث کی سندیں اہل فن کے علاوہ لوگوں میں معروف نہیں ہیں، مثلاً مشکوٰۃ المصابیح اور بلوغ المرام کے اندر حدیثوں کی آسانید موجود نہیں ہیں، تو کسی چیز کی سند ذکر نہ کرنے کا قطعی معنی یہ نہیں ہوتا کہ اس کے پیچھے سند ہے نہیں۔ مختلف وجوہات کی بنیاد پر بسا اوقات آسانید نقل نہیں کی جاتیں۔ مثلاً بلوغ المرام اور مشکوٰۃ میں مؤلفین نے جو آسانید بیان ہیں کیں تو اس کی بنیادی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کتابوں کو بطور روایت کے وہ نقل نہیں کر رہے۔ جب مقصود روایت ہوگا تو بتانا پڑے گا کہ میں نے یہ روایت کہاں سے لی ہے اور اسے بالآخر رسول اللہ ﷺ تک ثابت کرنا پڑے گا۔ عام طور پر صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ یا دیگر کتب حدیث کو مؤلفین نے بطور روایت نقل کیا ہے اور اسی لیے ان میں آسانید کا بھی ذکر ہے۔ البتہ جب روایت مقصود نہ ہو تو سند کا ذکر ضروری نہیں ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال امام بخاری رحمہ اللہ کی صحیح بخاری میں موجود معلق روایات ہیں۔ معلق روایتیں امام بخاری رحمہ اللہ نے عام طور پر ترجمۃ الباب میں ذکر کی ہیں۔ مقصود ان سے روایت نہیں، بلکہ استدلال ہے۔ جب مقصود استدلال ہو، جیسے میں اور آپ بحث کر رہے ہیں اور میں نے حدیث سبعہ احرف کو کئی دفعہ ذکر کیا ہے لیکن سند، حتیٰ کہ راوی تک کا ذکر نہیں کیا، لیکن اس سے ہماری بحث پر کوئی فرق نہیں پڑا۔ البتہ جب میں روایت کروں گا، تو آپ پوچھ سکتے ہیں کہ اس روایت کا استناد کیا ہے اور اس کی اسنادی حیثیت کیا ہے؟ اسی طرح مشکوٰۃ اور بلوغ المرام کا معاملہ ہے۔ بلوغ المرام اور مشکوٰۃ میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور خطیب تبریزی رحمہ اللہ نے حدیثیں بطور روایت نقل نہیں کیں، بلکہ انہوں نے ان مجموعوں کو صرف مطالعہ حدیث کے لیے تیار کیا ہے۔

بالکل اسی طرح قرآن مجید کا بھی معاملہ ہے۔ جب قرآن مجید کے بارے میں یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کس سند سے یہ قراءات و روایات ہم تک پہنچیں اور ان کی سند کیا ہے تو ہم اپنے پاس موجود رسول اللہ ﷺ تک متصل آسانید ذکر کر دیتے ہیں اور ان میں موجود رجال کے لیے معرفۃ القراء الکبار از امام ذہبی رحمہ اللہ اور طبقات القراء از امام ابن جزری رحمہ اللہ وغیرہ کو پیش کرتے ہیں، لیکن اگر قرآن مجید سے مقصود روایت نہ ہو، بلکہ بطور عبادت تلاوت کی غرض سے اس کو پڑھا جائے تو آسانید کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ عام طور پر جس طرح مساجد

میں قرآن کریم پڑے ہوتے ہیں اور لوگ اذانوں و نمازوں کے وقفہ میں قرآن اٹھا کر پڑھنا شروع کر دیتے ہیں تو اس وقت ان کا مقصود روایت نہیں ہوتا، چنانچہ تلاوت کی غرض سے کروڑوں کی تعداد میں جو قرآن عموماً مطبوع ہیں ان کے شروع یا آخر میں بطور خاص سند کا اہتمام نہیں ہوتا، البتہ بعض علمی و تحقیقی سطح کے مطبوع قرآنوں کے آخر میں متعلقہ روایت کی صاحب روایت سے اللہ کے رسول ﷺ تک سند موجود ہوتی ہے، لیکن صاحب روایت امام کے بعد سے لے کر عصر حاضر تک اسانید کا اہتمام عام قرآنوں کے بجائے اہل فن کے پاس موجود ہیں۔ عوام الناس جو قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو اس سے ان کا مقصود روایت نہیں، بلکہ تلاوت ہوتی ہے اور روایت کے سلسلہ میں وہ اہل فن ہی پر اعتماد کرتے ہیں کہ انہوں نے قرآن کریم کو روایت کے طور پر محفوظ انداز میں نقل کر دیا ہے، ہمیں ان پر اعتماد ہے اور ہمیں ان کی روایت سے کوئی غرض نہیں ہے ہم کو صرف اس بات سے غرض ہے کہ وہ قرآن کی تحفوظ روایت متعین کر دیں تاکہ ہم اسے پڑھ سکیں۔ جن لوگوں کو اس کی روایت میں کوئی شک ہے تو ان سے بحث کی جاسکتی ہے اور ان کو روایات و اسانید دیکھاں جاسکتی ہیں۔

قرآن مجید میں بھی حدیثوں کی طرح اسانید کا اہتمام اہل فن میں شروع سے رہا ہے، لیکن جس طرح حدیث کی کتابیں جب مدون ہو گئیں تو اہل علم جانتے ہیں کہ اس کے بعد اسانید کے اہتمام کی کوئی زیادہ ضرورت محسوس نہیں کی گئی اور بعض حضرات جنہوں نے علمی روایت کے طور پر اگر سند کا اہتمام کیا بھی ہے تو اس کی بنیاد پر حدیث پر حکم لگانے کا معاملہ بہر حال موقوف ہو چکا ہے، بالکل اسی طرح آٹھویں صدی ہجری میں النشر الکبیر وغیرہ کے منظر عام پر آنے کے بعد قراءات کی اسانید کا معاملہ سمیٹ دیا گیا۔ اہل فن کے ہاں امام ابن جریر رحمہ اللہ کو اسی اعتبار سے خاتمة المحققین بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اسانید کے حوالے سے پوری جانچ پڑتال کر کے النشر کو ترتیب دے دیا۔ اب النشر میں جو کچھ ہے اس سے باہر قرآن کریم کی کوئی قراءات موجود نہیں اور جو کچھ نشر میں موجود ہے اس کی عمومی صحت پر اہل فن کا اتفاق ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ النشر الکبیر کی تصنیف کے بعد قراءات قرآنیہ کی تدوین کا مرحلہ مکمل ہو چکا ہے۔ اس کے بعد ہی سے اسانید کے ساتھ روایت کے معاملہ کو اضافی سمجھ لیا گیا۔ اب اہل فن کے ہاں قراءات کی تلاوت یا علم قراءات میں کسی کتاب کی تصنیف سے قبل سندوں کو پیش کرنے کا التزامی اہتمام موجود نہیں، بعض کبار مشائخ، جن میں آج بھی روایت و اجازت کا اہتمام موجود ہے، وہ بہر حال اپنی تصانیف کے آغاز میں اپنی اسانید قراءات ذکر کر دیتے ہیں، لیکن عام اساتذہ و طلبہ جو مدارس میں قراءات سبعہ و عشرہ پڑھتے پڑھاتے ہیں، ان میں کتنے لوگوں کے ہاں قراءات کی سندیں موجود ہیں۔ یہ اسی طرح ہے جیسے ہمارے ہاں کتنے لوگ بخاری شریف پڑھتے پڑھاتے ہیں لیکن وہ سندوں کا اہتمام نہیں کرتے۔ قراءات کی طرح احادیث کے علماء میں سے بہت تھوڑے لوگ ایسے ہیں جو اسانید کا بطور تبرک اہتمام کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں علم قراءات کی درس و تدریس کے سینٹروں موجود ہیں۔ ان تمام مدارس سے ہزاروں لوگ بطور علم اور بطور روایت ان قراءات کو پڑھ رہے ہیں، لیکن ان میں سے بہت ہی تھوڑے لوگوں کے پاس اسانید موجود ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ آٹھویں صدی ہجری میں تدوین علم کے بعد اب اسانید کے اہتمام کا معاملہ اضافی ہو چکا ہے۔ اب سندوں کے اہتمام کی اسی طرح ضرورت نہیں سمجھی جاتی

جس طرح صحیحین اور دیگر مجموعہ ہائے حدیث کی ترتیب و تدوین کے بعد سندوں کا اہتمام ختم ہو گیا ہے۔

سوال نمبر ۷: کیا قرآن مجید کے ایک ایک حرف، ایک ایک آیت اور ایک ایک سورت کی سند موجود ہے یا مکمل قرآن کی سند ہوتی ہے کہ شروع میں ایک سند ذکر کی جائے اور پھر مکمل قرآن ذکر کر دیا جائے؟

جواب: حدیث نبوی اجزاء کی صورت میں اُمت کو ملی ہے اور صحابہ کو بھی اجزاء کی صورت میں ہی موصول ہوئی۔ اگرچہ قرآن بھی حدیث کی طرح ۱۷ ابتداء بیس سالہ عرصہ میں آہستہ آہستہ مختلف واقعات کے تناظر میں اجزاء کی صورت میں اترتا رہا، لیکن اس کا معاملہ حدیث سے دو طرح سے فرق رہا:

① پہلا فرق تو یہ ہے کہ جب قرآن کی کوئی آیت اترتی تو آپ اس کے بارے میں فرمادیتے کہ اس کو فلاں سورۃ اور فلاں مقام پر رکھا جائے اور اس طرح سے متفرق طور پر نازل ہونے والی آیات ایک نظام میں پروٹی جاتیں۔ اُمت کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ آج قرآن کی آیات و سورتوں کی جو ترتیب ہے، جسے آج کل کی اصطلاح میں نظم بھی کہتے ہیں، وہ تو یقینی ہے۔ نظم قرآن کی اسی تو یقینی حیثیت کے پیش نظر لوگوں نے اس کی بنیاد پر قرآن کی تفسیریں لکھی ہیں۔ حدیث میں چونکہ نظم کا مسئلہ ہی نہیں اس لیے وہاں نظم کی بنیاد پر استدلال ہی نہیں ہوتا۔

② دوسرا فرق یہ ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کلام کے الفاظ ہونے کی ناطے متعبد بالتلاوة ہے، جبکہ حدیث چونکہ مراد الہی ہے چنانچہ اس کی تلاوت نہیں کی جاتی۔ اب چونکہ قرآن کریم کی تلاوت ہوتی ہے اس لیے قرآن اجزاء کے بجائے بالآخر ایک مسلسل کلام میں ڈھل کر امت کو منتقل ہوا حتیٰ کہ عرصہ اخیرہ میں قرآن کریم کی سورۃ کی بھی ایک حتیٰ ترتیب متعین کر دی گئی۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ذکر فرمایا ہے کہ جو بات قرآن کی آیات و سورتوں کی ترتیب پا جانے کے بعد دلائل کی روشنی میں اہل علم کے ہاں طے ہے وہ یہ ہے کہ اب قرآن کو موجودہ ترتیب سے ہٹ کر پڑھنا سورۃ کی حد تک تو رائج قول کے مطابق جائز ہے، البتہ آیات کے معاملہ میں تمام اہل علم کے بالا جماع حرام ہے۔

اس پس منظر میں اب ہم مذکورہ سوال کے جواب کی طرف آتے ہیں۔ سائل کے ذہن میں یہ شبہ موجود ہے کہ جیسے حدیث میں ایک ایک چیز کی سند موجود ہے، اسی طرح ایک ایک آیت کی سند ہونی چاہئے یا قرآن مجید کے ایک ایک کلمے کی سند ہونی چاہئے، جب کہ یہ ذہنیت سطحی غور و فکر اور قرآن و حدیث کی روایت کے باہمی فرق سے نا آشنائی کا نتیجہ ہے۔ اس سلسلہ میں پیچھے جو بات ذکر کی گئی ہے اس کے مطابق آج جب ہم حدیث کو پڑھتے ہیں تو مختلف محدثین کی دی گئی ترتیب کے مطابق پڑھتے ہیں اور وہ ترتیب محدثین نے نظم کلام کے لحاظ سے ترتیب نہیں دی، بلکہ متعدد دینی موضوعات کی اہمیت وغیرہ کو مد نظر رکھ دی ہے۔

اہل قراءات کے ہاں شروع سے اُسلوب رہا ہے کہ اگر وہ کسی استاد سے مکمل قرآن کو پڑھنے کے بجائے چند سورتوں تک پڑھتے ہیں تو اجازہ قراءات میں استاد صراحت کرتا ہے کہ فلاں طالب علم نے مجھ سے فلاں روایت یا تمام قراءات میں مثلاً سورۃ الفاتحہ سے سورۃ آل عمران کے آخر تک پڑھا اور جب طالب علم مکمل قرآن استاد سے پڑھے تو وہ مکمل قرآن کا ذکر کر کے اجازت مرحمت کرتا ہے۔ عام طور پر اہل قراءات میں قرآن کریم کو آیۃ آیۃ یا کلمہ کلمہ کر کے پڑھانے کا رواج ہی نہیں۔ مشرقی ممالک میں روایت حفص اور مغربی ممالک میں رائج روایت

ورش وغیرہ کے سلسلہ میں اُساتذہ کا اُسلوب یہ ہے کہ وہ مکمل قرآن سننے بغیر طالب علم کو روایت آگے نقل کرنے کی اجازت کبھی نہیں دیتے، البتہ تدریس قراءات کے سلسلہ میں بعض اہل فن میں تساہل پایا جاتا ہے کہ وہ قراءات کی اجازت عموماً چند پارے اور مخصوص سورتیں سن کر دے دیتے ہیں کہ طلبہ میں طبعی کسوت بڑھ گئی ہے، جبکہ کبار مشائخ کی عادت آج بھی یہ نہیں کہ وہ طالب علم کو بغیر مکمل قرآن سننے قراءات عشرہ یا قراءات سبعہ یا کسی مخصوص روایت کی اجازت روایت دیں۔ تحریک کالیہ القرآن الکریم اور اس سے منسلک اداروں کا بالعموم معمول بھی یہی ہے کہ وہ مکمل قرآن سننے بغیر طالب علم کو اجازت یا سند عطا نہیں کرتے۔

سوال نمبر ۵۸: اہل فن کے ہاں ثبوت قراءات کا ضابطہ کیا ہے؟ کیا قراءات قرآنی متواتر ثابت ہیں؟

جواب: سب سے قبل یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ قراءات قرآنیہ کا ثبوت صرف قطعی ذریعہ سے ہوا ہے، جبکہ حدیث قطعی ذریعہ سے بھی ثابت ہوتی ہے اور ظنی ذریعے سے بھی۔ قطعی ذریعہ کا مطلب یہ ہے کہ روایت اتنے محفوظ طریقے سے ہو کہ اس میں غلطی کا امکان ختم ہو جائے اور مزید تحقیق کی ضرورت باقی نہ رہے، جبکہ ظنی ذریعے کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی بات بطور خبر پہنچتی ہے تو چونکہ جملہ خبریہ میں سچ و جھوٹ دونوں پہلو کا امکان ہوتا ہے، اس لیے ہم تحقیق کر کے کسی ایک پہلو کو متعین کرتے ہیں۔ ظنی ذریعے سے ثابت خبر کی تحقیق کے اصول 'علم مصطلح الحدیث' میں ذکر کیے جاتے ہیں۔ خبر متواتر کے بارے میں تمام اہل علم متفق ہیں کہ اس سے علم قطعی کا حصول ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ خبر متواتر اصول حدیث کا موضوع نہیں ہے۔ قرآن کے بارے میں ایک بات شروع ہی سے ذہن نشین کر لیں کہ اہل علم میں اس بات میں معمولی سا بھی اختلاف نہیں کہ قرآن مجید کا ثبوت ظنی ذریعہ سے نہیں ہوتا، صرف قطعی ذریعہ سے ہوتا ہے۔

مسئلہ زیر بحث پر بات کرنے سے قبل ایک اصولی بات ابتداء ہی سے ذہن نشین کر لیں کہ جب دوسری صدی ہجری میں فلسفہ یونان کے عربی میں ترجمہ ہونے کے بعد دینیات کے باب میں فلسفیانہ نظریات کی امیزش ہوئی تو اہل سنت و اہل بدعت کے دو بنیادی مکاتب فکر وجود میں آ گئے۔ جیسے جیسے زمانہ آگے آتا گیا، اس فلسفیانہ ذہن کی کارستانی میں اضافہ ہی ہوا۔ اس ضمن میں بدعتوں فرقوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ حدیث تھی اور حدیث چونکہ بالعموم منقول ہی آحاد کے طریق سے ہے، چنانچہ اہل سنت کے بالمقابل انہوں نے قبول خبر واحد (بالفاظ دیگر حدیث نبوی) کے سلسلہ میں تشکیک کا رویہ اختیار کیا، جبکہ ان کے بالمقابل اہل سنت و محدثین کرام نے بھرپور محنت کا سامنا کیا۔ اسی کشمکش میں معتزلہ سے متاثر ہوتے ہوئے بعض اہل سنت میں بھی قبول حدیث کے بارے میں یہ انتہائی غلط نظریہ پیدا ہو گیا کہ ثبوت روایت میں اصل بحث تواتر یا آحاد کی ہے، جبکہ قبول و رد حدیث کے ضمن میں فن حدیث میں طے کردہ معیارات یعنی راوی کا کردار (عدالت)، روایت کے معاملہ میں راوی کی مطلوبہ صلاحیت (حفظ) اور اتصال سند وغیرہ تحقیق روایت میں 'اضافی' مقام رکھتے ہیں۔ حالانکہ معاملہ اس کے سراسر برعکس ہے۔ دین و شرع میں کسی جگہ یہ بات موجود نہیں، بلکہ ثبوت روایت کے معاملہ میں ہر جگہ متعین طور پر معیار راوی کی عدالت و ضبط اور اتصال سند وغیرہ ہی کو بتایا گیا ہے اور کثرت روایت یا روایت میں ثبوت کی قطعیت وغیرہ مباحث حدیث میں اضافی طور پر قوت پیدا کرتی ہیں۔ خبر مقبول و خبر مردود کا

۱۲

یہ معیار ہرگز نہیں کہ روایت آنے کے بعد فن حدیث کے اصولوں کو تو ایک رکھ دیا جائے اور تواتر و آحاد یا قطعیات و ظنیات کی مباحث کو اصل بنالیا جائے۔ یہ بدعتی طرز فکر ہے، جس کا اہل فن میں سے پچھلے ایک ہزار سالہ تاریخ میں کوئی چھوٹا یا بڑا محدث قائل نہیں۔ عصر حاضر میں کئی اہل علم نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے، جن میں سے میں دو اہل علم کی کتب کا بطور خاص تذکرہ کروں گا کہ اس سلسلہ میں انہیں ضرور دیکھا جائے۔ پہلی کتاب تو ایم فل یا پی ایچ ڈی سطح کا ایک مقالہ ہے، جو مدینہ یونیورسٹی میں لکھا گیا اور مطبوع ہے، اس کا نام ہے: المنہج المقترح فی علم المصطلح، جبکہ دوسری کاوش معروف عالم دین مولانا ثناء اللہ زاہدی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے اور انہوں نے نور الانوار شرح المنار از ملا جیون رحمہ اللہ کی دوسری و چوتھی جلد کے حاشیہ و تعلیق میں تفصیلاً اس موضوع پر بحث کی ہے۔

اس تمہید کے بعد اب ہم آتے ہیں نفس مسئلہ کی طرف تو واضح رہے کہ علمائے اصول کا تقریباً اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید بطریق تواتر منقول ہے۔ ہماری رائے میں بھی قراءات کا ثبوت تواتر سے ہوا ہے، البتہ تواتر کے مفہوم کے بارے میں اہل فن کا اختلاف ہے کہ تواتر کی تعریف کیا ہے؟ اس بارے میں اگر پہلے اہل فن میں موجود اس اختلاف کو حل نہ کیا جائے تو ہم یہ بات طے نہیں کر سکتے کہ قرآن مجید کس تعریف تواتر سے ثابت ہے۔ اس سلسلہ میں علماء کے دو اقوال ہیں:

① عام اصولیوں کے ہاں تواتر کی یوں ہے:

ما رواه عددٌ كثيرٌ يستحيل العادة تواترهم على الكذب۔ اس تعریف کی رو سے متواتر حدیث ایسی روایت کو کہتے ہیں جسے اتنا بڑا راجع غیر نقل کرے کہ جھوٹ کا احتمال ختم ہو جائے۔

② دوسرا قول یہ ہے کہ ما أفاد القطعی فهو متواتر یعنی وہ خبر جو علم قطعی کے ذریعے سے ہم تک پہنچتی ہے، اس کو متواتر کہتے ہیں۔ یہ متقدمین محدثین کا موقف ہے، جبکہ کتب مدون نہیں ہوئیں تھیں۔ اس دور میں جبکہ ابھی اصطلاح سازی کا تصور سامنے نہیں آیا تھا، اس وقت کے علماء دو ہی چیزوں سے واقف تھے کہ روایت دو قسم کے ذریعوں سے ثابت ہوتی ہے: قطعی ذریعہ، ظنی ذریعہ۔ جب علوم تدوین پا گئے تو بعد از تدوین فن حدیث بھی بعض اہل علم میں یہ رجحان پایا جاتا رہا کہ تواتر کی تعریف میں اصل چیز 'قطعیات' ہے، ناکہ کافی سارے رواۃ کی روایت۔ متقدمین اہل علم کے اس تصور کی توضیح اور وضاحت پر فن حدیث کی قدیم و جدید کتب میں بہت کچھ چھپ چکا ہے۔ ابھی پیچھے جن دو کتب کا میں حوالہ دے چکا ہوں، اس ضمن میں ان میں انتہائی مفید بحثیں موجود ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی کتب میں اس موضوع بہت ہی خوب بحث کی ہے کہ تواتر کی تعریف میں متاخر محدثین میں معتزلہ اور ان سے متاثر بعض فقہاء کی وجہ سے فلسفیانہ رنگ آ گیا ہے، جس کے مصداق کا تعین کرنا انتہائی مشکل ہے۔ اسی طرح امام المصطلح الحدیث، حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ اور تمام شارحین مقدمہ نے بھی متواتر حدیث کی عام تعریف، جس کا تعلق تواتر اسنادی سے ہے، پر خوب ہی کلام فرمائی ہے کہ مرویہ تعریف تواتر میں محدثین کے بجائے بعض متاخرین اصولیوں نے رنگ امیزی کی ہے، کیونکہ جو تعریف عام طور پر 'تواتر الاسناد' کی ذکر کی جاتی ہے اس کا مصداق تلاش کرنا امر واقعہ میں انتہائی مشکل، بلکہ ناممکن ہے۔ اس تعریف کے مطابق اگر انتہائی تلاش

کیا جائے تو زیادہ سے زیادہ تواتر الاسناد کا مصداق صرف ایک حدیث: «من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار» [بخاری: ۱۰۷۰] شائد بن سکے۔ مقدمہ ابن صلاح کے شارحین مثلاً حافظ عراقی رحمہ اللہ وغیرہ نے وضاحت کی ہے کہ حافظ صاحب رحمہ اللہ اور عام محدثین امام حاکم، حافظ ابن عبد البر، امام سیوطی رحمہ اللہ وغیرہ جس تواتر کو مانتے ہیں وہ اسنادی یا بالفاظ دیگر عددی تواتر نہیں، بلکہ تواتر الاشتراک ہے۔ ایسا تواتر مختلف اخبار آحاد کے مجموعہ میں الفاظ یا معانی کے اعتبار سے موجود قدر مشترک سے حاصل ہوتا ہے، چنانچہ تواتر الاسناد تو اولاً محدثین کی کوئی مسلمہ اصطلاح ہی نہیں اور جس اصطلاح کو محدثین کرام کے تواتر کے نام سے بیان کیا جاتا ہے وہ دراصل اخبار آحاد میں قدر مشترک سے حاصل شدہ علم قطعی ہے۔ ثابت ہوا کہ محدثین کے ہاں خبر متواتر میں اصل چیز عددی یا اسنادی تواتر نہیں بلکہ تواتر الاشتراک ہے، جو روایت و خبر کے پہلو سے درحقیقت خبر واحد اور نتیجہ کے اعتبار سے ایسی روایت ہوتی ہے جس میں موجود شے علم قطعی سے ثابت ہوتی ہے۔

ان تمام باتوں کے ساتھ اگر مزید یہ غور بھی کر لیا جائے کہ تواتر الاسناد کے حوالے سے محدثین میں مزید یہ بھی اختلاف ہے کہ روایت میں کتنے عدد افراد ہوں تو جھوٹ کا احتمال محال قرار پاتا ہے۔ اس سلسلہ میں بھی عام محدثین کے بالقابل محققین کا موقف یہ ہے کہ تواتر الاسناد میں بھی اصل چیز عدد نہیں، بلکہ وہ قطعیت ہے جو درحقیقت روح تواتر ہے اور وہ قطعیت زیادہ کے بجائے چند افراد سے بھی حاصل ہو سکتا ہے، جیسا کہ اس موضوع پر صاحب سبیل السلام امیر صنعانی رحمہ اللہ نے توضیح الافکار میں اور حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مجموع فتاویٰ کی اٹھارویں جلد میں انتہائی مفید بحث فرمائی ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ تواتر صرف عددی اکثریت سے حاصل ہوتا ہے وہ غلطی پر ہیں، تواتر (یعنی روایت میں قطعیت) بسا اوقات راویوں کی کثرت سے اور بسا اوقات راویوں میں پائے جانے والی صفات عدل و ضبط میں کثرت سے حاصل ہوتا ہے یعنی بسا اوقات راوی ایک ہی ہوتا ہے، لیکن وہ کئی آدمیوں کی مثل قوت رکھتا ہے، جیسے امام بخاری رحمہ اللہ ہیں۔ حافظ صاحب رحمہ اللہ کی بات کے مدلول میں چار یا اس سے زائد رواۃ کی کثرت بھی شامل ہے، جسے عموماً تواتر الاسناد کہتے ہیں، اور چار سے کم رواۃ میں پائے جانے والی صفات کی قوت بھی شامل ہے، جسے اصطلاح محدثین میں خبر واحد محقق بالقرائن کہتے ہیں۔ ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اگر جھوٹ کا احتمال تین یا اس سے کم رواۃ میں ختم ہو جاتا ہے تو محدثین کے بالاتفاق ایسی شے بھی علم قطعی کا فائدہ دیتی ہے۔ اس مثال میں ہم صحیح بخاری کے سلسلۃ الذہب کو پیش کر سکتے ہیں۔ سلسلۃ الذہب سے مراد سونے کی وہ سند ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ، اپنے استاد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اور وہ نقل کریں امام شافعی رحمہ اللہ سے اور وہ نقل کریں اپنے استاد امام مالک رحمہ اللہ سے اور وہ روایت کریں نافع رحمہ اللہ یا سالم رحمہ اللہ سے اور وہ روایت کریں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے۔ اس سند میں موجود تمام افراد کو امیر المؤمنین فی الحدیث کا لقب حاصل ہے اور ہر آدمی اپنی ثقاہت میں متعدد ثقہ راویوں کے برابر قوت رکھتا ہے۔

مذکورہ باتوں سے معلوم ہوا کہ محدثین کے ہاں خبر واحد کی بھی دو قسمیں ہیں:

① ایک خبر واحد وہ ہے جو علم نظری و ظنی کا فائدہ دیتی ہے، یعنی ایسا علم جس میں تحقیق و نظر کی ضرورت ہوتی ہے

اور تحقیق کے بعد اس میں بھی سچ و جھوٹ میں سے ایک پہلو قطع ہو جاتا ہے۔

② دوسری خبر واحدہ ہے جو صحت سند سے ثابت ہو اور متواتر خبر کی طرح علم قطعی کا فائدہ دیتی ہو۔ ایسی خبر کو محدثین کرام کی اصطلاح میں الخبر الواحد المحتف بالقرائن کہتے ہیں۔ اس کے بارے میں امام ابن حجر رحمہ اللہ نے شرح نخبة اور النکت علی ابن الصلاح وغیرہ میں وضاحت لکھا ہے کہ اہل الحدیث کے ہاں ایسی خبر متواتر حدیث کی طرح علم قطعی کا فائدہ دیتی ہے یا بالفاظ دیگر ایسی خبر سے جو علم حاصل ہوتا ہے، اسے متاخرین کی اصطلاحات میں اگرچہ تواتر تو قرار نہیں دیا جاتا، کیونکہ تواتر اسنادی کے لیے کم از کم چار افراد کا ہر طبقے میں پایا جانا ضروری ہے، لیکن اس کے باوجود یہ قسم تواتر کی طرح ہے، کیونکہ قرائن اسے ایسی قوت بخش دیتے ہیں کہ یہ قطعیت کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ اہل الحدیث کے ہاں یہ قرائن کافی قسم کے ہوتے ہیں، جن کی تفصیل کتب مصطلح میں موجود ہے۔ ان میں سے ایک قرینہ، جسے تقریباً تمام فقہی مکاتب فکر کے ہاں مقبولیت حاصل ہے، یہ ہے کہ ایسی صحیح روایت، جس کی صحت پر جمیع اہل فن کا اتفاق ہو جائے، جسے اصطلاحات میں تلقی بالقبول کہتے ہیں، تو یہ اتفاق اسے قطعیت کے مقام پر فائز کر دیتا ہے۔ صحیحین کو دیگر کئی قرائن کے ساتھ صرف اسی ایک قرینہ نے اُمت کے ہاں قطعیت کے مقام پر فائز کر دیا ہے۔ عام طور پر علمائے احناف خبر واحد کی بنا پر واجب اور فرض میں، حرام اور مکروہ تحریمی میں اور تخصیص عام اور تنقید اطلاق وغیرہ کی مباحث میں جمہور سے مختلف ہیں اور اس کی وجہ وہ یہی قرار دیتے ہیں کہ خبر واحد ظنی ہوتی ہے، جبکہ خبر متواتر علم قطعی کا فائدہ دیتی ہے، لیکن علمائے احناف میں سے امام نسفی رحمہ اللہ اور علامہ کشمیری رحمہ اللہ وغیرہ صحیحین کے قطعی الثبوت ہونے کے قائل ہیں۔

الغرض قراءات کے ثبوت میں چار قسم کا تواتر پایا جاتا ہے، جس کی تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے:

① خبر متواتر کی قسم تواتر الاسنادی تعریف کے اعتبار سے اگر قراءات کو دیکھا جائے تو قراءات میں آئمہ عشرہ کے بعد سے عصر حاضر تک تواتر الاسناد پایا جاتا ہے، البتہ آئمہ عشرہ سے قبل چونکہ ہر دم اختلاط ہو رہا تھا چنانچہ تواتر الاسناد وہاں معدوم ہے۔

② آئمہ قراءات کے ہاں ثبوت قراءات کا عام ضابطہ یہ ہے کہ جو قراءات صحت سند سے ثابت ہو اور مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک مصحف کے رسم کے موافق ہو، نیز لغات عرب کے خلاف نہ ہو تو اسے الخبر الواحد المحتف بالقرائن کے قبیل سے قرار دے کر قطعیت کے ساتھ قبول کر لیا جائے گا۔

امام ابن جزری رحمہ اللہ نے ان تین شرطوں پر ایک بات کا مزید اضافہ بھی فرمایا ہے کہ متعدد قرائن کے ساتھ ثابت شدہ اسی قسم کی قراءات پر اہل فن کا تلقی بالقبول بھی حاصل ہونا چاہیے۔ اس بات کو دیگر اہل علم نے بھی قبول کیا ہے۔ ثبوت قرآن کے اس ضابطہ میں حافظ ابن جزری رحمہ اللہ کی طرف سے پیش کردہ اس اضافے کو میں بہت اہمیت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ یہی وہ ضابطہ ہے جس کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو قطعیت کے مرحلہ تک پہنچا دیا، کیونکہ صحیحین پر اہل فن یعنی محدثین کے اور قراءات قرآنیہ پر اہل فن یعنی قراء کرام کے اتفاق کا معنی یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی تمام تر تحقیقات کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ مرویات قطعی الثبوت ہیں۔ یہاں ہم جاہلوں کے اتفاق کی بات نہیں کر رہے، بلکہ ان لوگوں کی بات کر رہے ہیں، جو بغیر تحقیق کیے اتفاق نہیں کرتے، بلکہ مکمل جانچ پڑتال

کرنے کے بعد ہی اتفاق کرتے ہیں۔ صحیحین پر ماہرین فن کے اتفاق کے بعد ہی انہیں ما جاوز القنطرة کے مقام پر فائز کیا گیا ہے۔ اگر اسی قسم کا اتفاق موجودہ قراءت عشرہ کو حاصل ہو تو اہل فن انہیں قراءات میں شمار کرتے ہیں ورنہ نہیں، بلکہ صحیحین کی صحت پر تو بعض لوگوں نے علمی اختلافات بھی کیے ہیں، لیکن موجودہ قراءات قرآن عشرہ متواترہ کے ثبوت میں پچھلی بارہ صدیوں میں کسی ایک عالم نے بھی انکار نہیں کیا، بلکہ علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ کے بقول تو کلمہ طیبہ پڑھنے والے کسی عامی نے آج تک معمولی شبہ کا اظہار نہیں کیا۔

❧ ثبوت قراءات کے سلسلہ میں ایک تیسرا تواتر وہ ہے جو کہ حدیث میں عام طور پر نہیں پایا جاتا۔ اسی لیے عام اہل الحدیث اس سے واقف بھی نہیں۔ اسے اہل قراءات کی اصطلاحات میں ’تواتر طبقہ‘ کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن کریم متعبد بالتلاوة ہونے کی وجہ سے ہمیشہ خواص میں پڑھا پڑھایا جاتا رہا، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رسول اللہ ﷺ نے قرآن پڑھایا تو صحابہ میں سے ہر شخص کا قرآن سے تعلق رہا، یہی حال تابعین و تبع تابعین میں رہا، حتیٰ کہ آج تک امت میں سے ہر آدمی قرآن کو پڑھتا ہے، جبکہ حدیث کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ عام لوگوں کا علم حدیث سے صرف اتنا تعلق رہا کہ اہل علم سے مسائل پوچھتے رہے اور حدیث کے باقی علم کو اہل الحدیث کے سپرد کر کے اپنے دنیاوی مشغول ہو رہے۔ اس اعتبار سے اگر جائزہ لیا جائے تو قرآن کریم صحابہ، تابعین، تبع تابعین سے لے کر آج تک ہر دور میں پڑھا جا رہا ہے اور مختلف ممالک میں ہمیشہ سے مختلف قراءات رائج رہی ہیں، چنانچہ وہ لوگ جو مدارس میں قراءات قرآن عشرہ کے محافظین ہیں اگر وہ ہر دور میں ہزاروں میں رہے ہیں تو معاشرہ میں انہی قراءات کو پڑھنے والے عوام الناس ہر زمانہ میں لاکھوں، کروڑوں رہے ہیں۔ اب مثلاً مدارس میں روایت حفص سیکنڈوں لوگ آسانید سے اخذ کر کے نقل کر رہے ہیں، جبکہ صرف پاکستانی معاشرہ میں سولہ کروڑ عوام بھی اسی روایت پر بلا اختلاف اتفاقی تعامل سے عمل پیرا ہے۔ یہ مدارس میں پڑھائی جانے والی روایت حفص کا انتہائی قوی قرینہ ہے۔ اسے اہل قراءات ’تواتر طبقہ‘ کے نام سے بیان کرتے ہیں، جس کا حدیث میں سرے سے وجود نہیں۔ یہ کتنا مضبوط قرینہ ہے کہ اس کی بنیاد پر خبر واحد کو بھی تقویت مل جاتی ہے، جو تلقی بالقبول کے ذریعے سے قراءت کو ملی ہے۔ آج اگر امت میں ساری قراءتیں متداول نہیں ہیں، تو بھی اسی قسم کے تواتر کا بڑا فائدہ ہے کیونکہ قراء عشرتیک تو اہل فن کے ہاں بھی تواتر اسنادی موجود ہے، معاملہ اس کے بعد کا ہے اور قراء عشر کے دور میں تمام سبعہ احرف عوام و خواص میں متداول تھے، چنانچہ آئمہ عشرتار رسول اللہ ﷺ تواتر طبقہ موجود ہے۔

❧ یہاں ثبوت قراءات کا ایک چوتھا ذریعہ بھی ہے جو تواتر کی ایک مخصوص قسم ہے اور وہ یہ کہ قرآن مجید کا ایک ایک کلمہ، ایک ایک آیت اور ایک ایک سورت کو بھی تواتر حاصل ہے، لیکن یہ تواتر سند و عدد والا تواتر نہیں بلکہ وہ تواتر ہے جسے محدثین ’تواتر‘ کے مطلق نام کے مصداق کے طور پر پہچانتے و بیان کرتے ہیں۔ تواتر اسنادی کے بارے میں تو پیچھے واضح ہو چکا ہے کہ محدثین اس کے انکاری ہیں، انہوں نے زیادہ سے زیادہ اس کی اگر کوئی مثال تسلیم کی بھی ہے تو وہ صرف ایک حدیث «من کذب علی متعمداً فلیتنبأ مقعده من النار» [بخاری: ۱۰۷۱] ہے۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث بھی تواتر اسنادی کی تعریف پر پوری نہیں اترتی، کیونکہ دیگر

روایات کی طرح اس روایت کے بھی ہر طبقہ میں کثرتِ عدد موجود نہیں، بلکہ متعدد اخبارِ آحاد میں اس حدیث کے مذکورہ الفاظ مشترک طور پر وارد ہوئے ہیں، چنانچہ تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ یہ روایت ان مشترک الفاظ کے اتفاق کے ساتھ درجہ یقین کو پہنچتی ہے۔ اس وضاحت کی رو سے یہ روایت بھی تواترِ اسنادی کے بجائے تواترِ اشتراکی ہی ہے۔ بعض لوگوں نے مکمل روایت میں الفاظ کے اشتراک کی بنا پر حاصل ہونے والے تواتر کو تواترِ لفظی اور روایات میں معنوی قدر اشتراک کی بنا پر حاصل ہونے والے تواتر کو یہ لوگ تواترِ معنوی کا نام دیتے ہیں۔ بعض لوگوں نے مذکورہ تصور کی بنا پر اخبارِ احاد کی رو سے ثابت ہونے والی پانچ دیگر روایات کو بھی متواترِ لفظی قرار دیا ہے، جن میں ایک روایت اُنزل القرآن علی سبعہ أحرف [بخاری: ۴۹۹۲] بھی ہے۔ ان روایات کی تفصیل کے لیے الوجیز فی أصول الفقہ از ڈاکٹر عبدالمکریم زیدان کے اردو ترجمہ جامع الاصول از ڈاکٹر احمد حسن دہلوی میں بحثِ سنت کا مطالعہ فرمائیں۔

اسی طرح متعدد طرق میں مشترک طور پر «إنما الأعمال بالنیات» [بخاری: ۱۰] کے الفاظ موجود ہیں، اگرچہ یہ روایت اپنی اصل کے اعتبار سے خبرِ غریب ہے، اسی اشتراکِ الفاظ کی بنا پر بعض حضرات نے اس روایت کو بھی «من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعده من النار» [بخاری: ۱۰۷۰] کی طرح متواترِ لفظی بتایا ہے اور بعض لوگ اس روایت کو متواترِ معنوی شمار کرتے ہیں کیونکہ اس روایت میں واردِ نیت کا مضمون متعدد روایات میں آیا ہے، جن میں الفاظ کے اختلاف سے قطع نظر نیت کی فرضیت مشترک ہے۔ بعض محدثین تواترِ اشتراکی کو تواترِ معنوی بھی کہتے ہیں، لیکن صحیح یہی ہے کہ قدرِ مشترک کا معاملہ کسی مضمون میں بھی ہو سکتا ہے اور متعدد روایات میں ثابت الفاظ میں بھی۔ اس تناظر میں اگر ہم قراءاتِ عشرہ متواترہ صغریٰ و کبریٰ کا جائزہ لیں تو یہ تمام قراءات قرآنیہ تواترِ الاشتراک فی الالفاظ اور تواترِ الاشتراک فی الآیات کے اعتبار سے متواتر ہیں۔ مثال سے بات یوں سمجھیں کہ قرآن کے کسی لفظ کو بھی اہل قراءات کے ہاں چھ سے زائد اندازوں سے نہیں پڑھا گیا، جب کہ قراءات قرآنیہ متواترہ اسی طرق کے ساتھ مروی ہیں، گویا قرآن کریم آج امت کے پاس سبعہ احرف سمیت اسی اسانید کے ساتھ موجود ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی مجموعہ قراءات اگر اسی طرق سے ثابت ہیں تو ۹۵ فیصد متفق علیہ کلمات اسی روایات میں مشترک الفاظ کے اتفاق کے ساتھ متواترِ لفظی کے طور پر ثابت ہوئے۔ اور جن کلمات میں دو دو قراءات ہیں وہ اندازاً چالیس چالیس اسانید میں موجود مشترک الفاظ کے اتفاق سے متواترِ لفظی بنے علیٰ ہذا القیاس جو کلمہ چھ اندازوں سے پڑھا گیا تو وہ تقریباً تیرہ تیرہ اخبارِ آحاد میں موجود مشترک الفاظ کی بنا پر متواترِ لفظی میں شامل ہوئے۔ یاد رہے کہ چھ اندازوں سے جن کلمات کو پڑھا گیا ہے وہ صرف ایک دو ہیں، جنہیں پانچ طرح سے پڑھا گیا ہے وہ اس سے کچھ زیادہ ہیں، چار طرح سے پڑھے جانے والے کلمات مزید کچھ زیادہ ہیں۔ اکثر کلمات میں دو یا تین طرح ہی سے پڑھنے کا اختلاف مروی ہے۔ الغرض اس اعتبار سے دیکھیں تو مروجہ قراءات قرآنیہ عشرہ متواترہ میں موجود تمام آیات، کلمات اور سور متواترہ ثابت ہیں اور محدثین کے ہاں تواتر سے بالعموم تواترِ الاشتراک ہی مراد ہوتا ہے، چنانچہ محدثین کے معیار تواتر پر قرآن بہر حال ثابت ہے۔

المختصر قرآن کریم کے ثبوت میں پانچ طرح کے تواتر اور قطعیت کے ذرائع موجود ہیں:

- ① **تواتر اسنادی:** قرآن مجید کے ثبوت میں اسنادی تواتر موجود ہے، البتہ آئمہ عشرہ تک ہے۔ اگرچہ اس سے آگے تواتر اسنادی و تواتر عددی موجود نہیں، کیونکہ آئمہ عشرہ سے قبل اختلاط روایات کا دور دورہ تھا۔
- ② **تواتر طبقہ:** اس قسم کا تواتر آئمہ عشرہ سے قبل تو تمام قراءات کو حاصل رہا، البتہ عصر حاضر میں یہ تواتر صرف متداول چار قراءات و روایات کو حاصل ہے۔ نیز تواتر کی یہ قسم صرف قرآن کریم کے ساتھ خاص ہے۔
- ③ **تلقی بالقبول:** اس اعتبار سے قرآن مجید قطعی الثبوت طریقہ سے ثابت ہے، جسے بعض لوگ تواتر سے ہی تعبیر کرتے ہیں۔ قراءات عشرہ متواترہ کو جمیع فنون کے ماہرین نے ہر دور میں بالاتفاق قبولیت سے نوازا ہے۔ پوری دنیا کے جمیع مدارس اور جمیع اہل علم جو قرآن یا قراءات قرآنیہ کو نقل کرنے والے ہیں وہ تمام اس بات پر متفق ہیں کہ مروجہ قراءات عشرہ قرآن ہیں۔

- ④ **الخبر الواحد المحتف بالقرائن المفید للعلم القطعی:** چوتھی بات جو ہم بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر ایک قراءت صحت سند سے ثابت ہو اور اس میں رسم عثمانی کی موافقت اور لغات عرب کی مطابقت کی شرط بھی پائی جائیں تو ایسی روایت خبر واحد مقرون بالقرائن کے قبیل سے ہو کر علم قطعی کا فائدہ دے گی۔
- ⑤ **تواتر الاشتراك:** تواتر اسنادی کا تصور چونکہ آئمہ محدثین کے ہاں صرف خیالی تصور ہے، جس کی مثال محدثین کے بقول عملاً موجود نہیں اور یہ تصور تواتر بقول حافظ ابن صلاح رحمہ اللہ، بعض متأخر اصولیوں کی طرف سے پیش کردہ ہے، جسے صرف خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اصولیوں سے متاثر ہو کر فن حدیث میں پیش کر دیا، چنانچہ علم مصطلح الحدیث میں تواتر کے جس تصور سے محدثین مانوس ہیں وہ تواتر الاشتراك ہی ہے۔ تواتر اس تصور کی رو سے جمیع قراءات قرآنیہ حتمی طور پر متواتر ثابت ہیں۔

سوال نمبر ۱۵: اگر قراءات منزل من اللہ ہیں، تو پھر ان کی نسبت رجال کی طرف کیوں ہے؟

جواب: اس سے پہلے اس حوالے سے ایک سوال گذر چکا ہے کہ قراءات سات نازل ہوئیں تو سات سے دس یا بیس قراءات کیسے بن گئیں؟ ہم نے وہاں یوں جواب دیا تھا کہ اس شبہ کی بنیادی وجہ اس بنیادی مسئلے سے نا آشنائی ہے کہ قراءات کی تعریف کیا ہے۔ اس ضمن میں دو باتیں ضرور یاد دہانی چاہئیں:

- ① موجودہ قراءات عشرہ حروف سبعہ میں باہمی تداخل کے سبب وجود میں آنے والے آئمہ فن کے اختیارات ہیں، جنہیں انہی اصحاب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، جنہوں نے وہ انداز تلاوت اپنے لیے اختیار و متعین کیا ہو۔ اس نسبت سے قراءات کی نسبت قبل ازیں صحابہ کی طرف بھی ہوتی رہی، پھر تابعین اور تبع تابعین کی طرف بھی رہی، تا آنکہ ان آئمہ عشرہ اور ان کے علاوہ کا زمانہ آگیا تو انہوں نے اپنے لیے جو ترتیبات تلاوت (sets) اختیار کیے ان کی نسبت انہی آئمہ مختارین کی طرف کی گئی۔ اب چونکہ بارہ صدیوں سے امت انہی آئمہ کے اختیارات پر متفق ہے چنانچہ ان کے مختار اسالیب تلاوت ان کی طرف منسوب ہیں۔

② دوسری بات یہ ہے کہ ان قراءات میں موجود اتفاقی و اختلافی کلمات چونکہ ان آئمہ عشرہ کی روایات کے ذریعے ہم تک پہنچ رہے ہیں اس لیے مثل حدیث کے ان کی نسبت صاحب روایات ہی کی طرف کی جاتی ہے۔

اہل فن کے ہاں بنیادی طور پر قراءات روایات قرآن کو کہتے ہیں۔ اسی نسبت سے قراءات قرآنیہ عشرہ کو قراءات متواترہ کہا جاتا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ تواتر خبر کی قسم ہے، چنانچہ قراءات عشرہ متواترہ کا مطلب ہے قراءات عشرہ متواترہ یا روایات عشرہ متواترہ ہے۔

اس پس منظر میں زیر بحث سوال کا جواب یہ سامنے آتا ہے کہ سببہ احرف کی نسبت تو اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے، کیونکہ اللہ کی طرف سے جو قرآن اترا وہ سببہ احرف پر مشتمل تھا، لیکن بعد ازاں جب رجال نے ان احرف کو آپس میں خلط ملط کر کے اپنے نئے انداز تلاوت اختیار کر لیے تو اب ان اختیار کردہ ترتیبات تلاوت کی نسبت انہی رجال کی طرف ہونے لگی۔ اسی طرح جب قراء عشرہ کا زمانہ آیا تو لوگوں نے ان کے اختیارات کو اپنالیا اور پھر انہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اب گذشتہ کئی صدیوں سے انہی دس قراءات کو (بدون خلط) بطور روایت اُمت میں منتقل کیا جا رہا ہے۔ اب جس طرح جو حدیث امام بخاری رحمہ اللہ کی نسبت سے بیان ہوا ہے بخاری کی حدیث اور جو حدیث امام مسلم رحمہ اللہ سے روایت ہو اسے مسلم کی حدیث کہا جاتا ہے، عین اسی طرح موجودہ قراءات قرآنیہ بھی جن ائمہ کی نسبت سے اُمت میں رائج ہیں ان قراءات کی نسبت بھی ان ائمہ کی طرف کی جائے گی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک قراءات اختیار تو سیدنا نافع رحمہ اللہ کا ہو یا ان کے شاگرد امام ورش رحمہ اللہ کا ہو، لیکن اس کی نسبت ان کی بجائے محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف کی جائے۔ اگر ایسا کیا جائے تو یہ کذب بیانی ہوگا۔ المختصر جان لینا چاہیے کہ اہل فن کے ہاں سببہ قراءات سے مراد سات مشہور ائمہ کی قراءات ہیں اور قراءات عشرہ سے مراد دس مشہور ائمہ کی قراءات ہیں، جبکہ حدیث میں وارد سببہ احرف، جنہیں عرف عام میں سببہ قراءات بھی کہہ دیا جاتا ہے، وہ ان سببہ قراءات سے مختلف ہیں جو سببہ قراءات کی قراءات ہیں۔ سببہ احرف والی سببہ قراءات کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف، جب کہ مرتبہ سببہ قراءات کی نسبت سات معروف ائمہ کی طرف ہے۔

[جاری ہے]



علم قراءات اور قراءاتِ شاذہ

ماہنامہ رشد کے مدیر اعلیٰ جناب حافظ انس مدنی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ القراء قاری محمد ابراہیم میر محمدی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ ان کی شخصیت کا یہ امتیاز ہے کہ بیک وقت دو تخصصات کے حامل ہیں، جامعہ لاہور الاسلامیہ کے کلبۃ القرآن الکریم کے اولین خریجین میں سے ہیں، جبکہ مدینہ منورہ یونیورسٹی کے کلبۃ الشریعة سے درجہ امتیاز مع الشرف کے ساتھ سند فضیلت بھی حاصل کر چکے ہیں۔ عرصہ پانچ سال سے جامعہ پنجاب میں 'حمید الدین فراہی کے اصول تفسیر' پر پی ایچ ڈی کے طالب علم ہیں۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی میں دورانِ تعلیم زیر نظر مقالہ کو ایک تحقیقی اسائنمنٹ کے طور پر ترتیب دیا تھا، جسے قبل ازیں ماہنامہ رشد کے نومبر/دسمبر ۲۰۰۷ء کے مشترکہ شمارے میں شائع کیا جا چکا ہے۔ موضوع پر ایک جامع اور مفید تحریر ہونے کی وجہ سے رشد 'قراءتِ نمبر' میں اُسے دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔ یاد رہے کہ ماضی قریب میں کلبۃ الشریعة، جامعہ لاہور الاسلامیہ، لاہور کے فاضل اور مجلس التفتیق الاسلامی کے سابق رکن جناب پروفیسر مولانا محمد اسلم صدیق رحمۃ اللہ علیہ نے 'قراءاتِ شاذہ اور ان کے تفسیر و فقہ پر اثرات' کے عنوان سے ایک گرامر قدر مقالہ لکھ کر پنجاب یونیورسٹی سے ایم فل کی ڈگری حاصل کی تھی۔ مقالہ مذکور کے بہترین مقالہ جات کی فہرست میں شامل ہونے کی وجہ سے یونیورسٹی نے اسے کتابی صورت میں طبع کروایا ہے۔ زیر نظر موضوع کے جملہ پہلوؤں پر مطالعہ کے سلسلہ میں شائقین کو اس علمی کاوش کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ [ادارہ]

قراءات سے مراد

’قراءات‘، قراءت کی جمع ہے جو قرأً یقرأُ قراءۃً کا مصدر سماعی ہے، اس کا معنی تلاوت یعنی پڑھنا ہوتا ہے۔ قرأت کی اصطلاح میں ’قراءات‘ کی تعریف یہ کی جاتی ہے:

علمٌ بکيفية أداء كلمات القرآن واختلافها معزّوً لِنَاقِلِهِ ۱۔

”کلمات قرآن کریم کے روڈو بدل (اختلاف) جس کی نسبت اس کے ناقل کی طرف ہو اور ادا کی کیفیت کے متعلق علم کا نام ’علم قراءات‘ ہے۔“

یہ تعریف امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، بعض قرائن نے ’قراءات‘ کی تعریف کچھ اس طرح کی ہے:

مذهبٌ من مذاهب النطق في القرآن، يذهب به إمامٌ من الأئمة القراء مذهباً يُخالف غيره في النطق بالقرآن الکریم، وهي ثابتةٌ بأسانيدِها إلى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم۔

”قراءات قرآنیہ، قرآن کریم کے نطق کے مذاہب میں ایک ایسا مذہب ہیں جن کو معروف قرائن میں سے کوئی ایک قاری اختیار کرتا ہے اور اس میں وہ دوسرے قراء کے نطق کی مخالفت کرتا ہے، لیکن وہ تمام مذاہب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح

☆ مدیر کلبۃ الشریعة، جامعہ لاہور الاسلامیہ و انچارج اسلامک انسٹی ٹیوٹ، لاہور

جون ۱۹۹۷ء

علم قراءات کا ارتقا

جب خلیفہ ثالث جامع قرآن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف شہروں میں پھیل گئے اور ہر ایک صرف اسی کو قرآن سمجھنے لگا جو اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ سنا تھا، لوگوں میں قراءات کے متعلق اختلاف بڑھ گیا، ہر شخص اپنی قراءت کو ہی صحیح اور دوسروں کی قراءت کو غلط کہنے لگا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سخت پریشان ہو گئے۔ پھر جب سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ غزوہ ارمینہ سے لوٹے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اہل شام اور عراق میں قراءات کے مختلف اختلاف کی خبر دی تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور ان سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ سب نے یہ مشورہ دیا کہ تمام لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیا جائے۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اُم المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے وہ مصحف منگوایا جو خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لکھا گیا تھا اور پھر ان کی وفات کے بعد خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ان سے اُم المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا تک پہنچ چکا تھا، تاکہ وہ جمع قرآن کی اساس اور بنیاد بنے اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں قرا کی ایک جماعت کو حکم دیا کہ وہ تمام قراءات قرآنیہ متواترہ کو اُم المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے مصحف کی روشنی میں مصاحف میں لکھیں۔ قرا کی جماعت نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق تمام قرآن کریم کو اس کی قراءات کے ساتھ جمع کیا۔ جن مقامات پر ایک ہی رسم سے سب قراءتیں نکل سکتی تھیں وہاں سب کا رسم ایک ہی رکھا اور ان مصاحف کو قسطوں اور حرکات سے مجرود کر دیا تاکہ تمام قراءات متواترہ ان مصاحف میں آجائیں۔

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ علم الرسم میں اپنی معروف کتاب ’قصیدہ راسیہ‘ میں فرماتے ہیں:

فَقَامَ فِيهِ بَعَوْنُ اللَّهِ يَجْمَعُهُ بِالنَّصْحِ وَالْجِدِّ وَالْحَزْمِ الَّذِي بَهَرَ
مِنْ كُلِّ أَوْجْهِهِ حَتَّى اسْتَمَّ لَهُ بِالْأَحْرِفِ السَّبْعَةِ الْعُلْيَا كَمَا اشْتَهَرَ
فَجَرَدُوهُ كَمَا يَهْوَى كِتَابَتَهُ مَا فِيهِ شَكْلٌ وَلَا نَقْطٌ فَيَحْتَجِرَا

”پس زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اس کام کیلئے مستعد ہو گئے اور وہ قرآن کو اس کی تمام وجوہ سمیت اخلاص، پوری کوشش اور احتیاط سے جمع کر رہے تھے حتیٰ کہ وہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کیلئے ان سات حروف کے ساتھ پورا ہو گیا جو بلند ہیں جیسا کہ وہ مشہور ہیں (یعنی مشہور حدیث میں آیا ہے کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے)۔ پس اس جماعت نے اس کو حرکتوں اور قسطوں سے خالی کر دیا جیسا کہ عثمان رضی اللہ عنہ اس کی کتابت چاہتے تھے تاکہ یہ (نقاط اور حرکات) روک نہ دیں (یعنی باقی قراءات کے اس رسم میں داخل ہونے کو)۔“

پھر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان مصاحف کو مشہور قرائے کرام کے ساتھ مختلف علاقوں میں بھیج کر باقی تمام مصاحف جلانے کا حکم دے دیا۔ تمام علاقے والے اپنے اپنے مصحف اور اس کے ساتھ آنے والے قاری سے قرآن کریم سیکھتے رہے یہاں تک کہ ان مشہور و معروف قرائے سبعہ کا زمانہ آ گیا جنہوں نے صرف قرآن کریم کی خدمت اور اس کی نشر و اشاعت کیلئے اپنے آپ کو مخصوص کر لیا۔

متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ قرآن کریم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

نے آپ ﷺ سے بالمشافہ قرآن کریم سیکھا۔ کسی نے ایک حرف کے مطابق، کسی نے دو کے مطابق جبکہ بعض نے دو سے زیادہ حروف کے مطابق۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف شہروں میں پھیل گئے اور انہوں نے جس جس طریقہ سے آپ سے سیکھا تھا، اسی طریقہ سے قرآن کریم کو پڑھانا اور سیکھانا شروع کر دیا۔ اس طرح تابعین عظام رضی اللہ عنہم نے ان سے یہ حروف سیکھے اور ان سے تبع تابعین نے اور اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ معاملہ ان معروف و مشہور قرائے سبعہ تک پہنچ گیا جو صرف قرآن کریم کی خدمت اور نشر و اشاعت کیلئے مختص ہو گئے تھے۔

واضح رہے کہ قرآن کریم اور قراءات کی اصل اساس نہ تو مصاحف عثمانیہ ہیں اور نہ ہی کبھی ہو سکتے ہیں بلکہ ان کی بنیاد استاد کے منہ سے بالمشافہ اخذ و نقلی پر ہے حتیٰ کہ اس کی سند رسول اللہ ﷺ سے ہو کر اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے۔ مصاحف عثمانیہ ایک لحاظ سے کتاب اللہ کیلئے مسلمانوں کا جامع مرجع ہیں اور وہ بھی صرف ان معاملات میں جن پر وہ دلالت اور جن کی وہ تعیین کر سکتے ہیں۔ لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو قراءات بھی ان مصاحف عثمانیہ کی رسم کے احاطہ میں نہیں آتی وہ قرآن نہیں بلکہ وہ شاذ قراءات ہوں گی۔

اگر مصاحف عثمانیہ کو ہی قراءات کی اصل بنیاد قرار دے دیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ ان مصاحف کی رسم کے مطابق قرآنی لفظ کو جیسے بھی پڑھ لیں تو وہ قرآن ہے حالانکہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہ قرآن نہیں۔

قرآن کریم اور علم قراءات

قرآن کریم اور قراءات دونوں حقیقت ہیں، اور ایک چیز نہیں بلکہ باہم متغیر ہیں۔ ان میں یہ فرق بیان کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو محمد ﷺ پر اعجاز اور بیان کیلئے نازل ہوا جبکہ علم قراءات: مذکورہ کلام کے الفاظ کے حروف اور کیفیات کے اختلاف کا علم ہے۔

علمائے کرام نے قراءات قرآنیہ پڑھنے، پڑھانے کیلئے تین بڑی شرطیں بیان کی ہیں:

- اس کو فقہ اسلامی کا کم از کم اتنا علم ہو کہ وہ اپنے دین کے لازمی امور پر صحیح طور پر عمل کر سکے۔
- اس کو اصول فقہ کا اتنا علم ہو کہ وہ قراءات کے متعلق شبہات پیدا کرنے والوں کا رد کر سکے اور مخالف پر جہت قائم کر سکے۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ اسے قواعد اصولیہ کی معرفت حاصل ہو۔
- نحو و صرف کا اتنا علم ہو کہ ہر قراءت کی توجیہ کر سکے، اس کیلئے ضروری ہے کہ اسے معرب، مبنی اور اشتقاق کے قواعد معلوم ہوں۔

سلف صالحین میں معروف قرائے کرام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں درج ذیل قراءت بہت معروف ہوئے:

مہاجرین میں سے: سیدنا عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، عبد اللہ بن مسعود، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، حذیفہ بن یمان، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر، زبیر بن عوام، معاویہ بن ابی سفیان وغیرہم رضی اللہ عنہم، جبکہ انصار میں سے: سیدنا ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت، ابو الدرداء، ابو موسیٰ اشعری وغیرہم رضی اللہ عنہم تابعین میں سے جو قرائے کرام بہت معروف ہوئے وہ درج ذیل ہیں:

مدینہ نبویہ سے: سیدنا سعید بن مسیب، مسلم بن جندب، ابن شہاب الزہری، عبد الرحمن بن ہرمز (اعرج)، معاذ ابن الحارث جو معاذ القاری کے نام سے مشہور ہیں، مکہ مکرمہ سے: عطاء بن رباح، طاؤس بن کیسان الیمانی، عبد اللہ ابن ابی ملیکہ، بصرہ سے: ابوالعالیہ ریاحی، ابورجاء عطاردی، نصر بن عاصم، یحییٰ بن یحییٰ، حسن بصری، محمد بن سیرین، قتادہ بن دعامہ، کوفہ سے: علقمہ بن اسود، اسود بن یزید نخعی، مسروق بن أجدع، عبیدہ بن عمرو سلمانی، عمرو بن شریل، ریح بن خثیم، حارث بن قیس اور شام سے: مغیرہ بن شہاب مخزومی صاحب مصحف عثمان، ابوجریہ عبد اللہ بن قیس حمصی، یحییٰ بن حارث الدماری، عطیہ بن قیس وغیرہم رضی اللہ عنہم

درج بالا قرائے کرام وہ ہیں جن کا مشغلہ قرآن کریم کی تعلیم و نشر و اشاعت بھی تھا اور دوسرے علوم بھی۔ کچھ علما ایسے بھی تھے جنہوں نے خود کو علم قراءات کی حفاظت اور نشر و اشاعت کیلئے مختص کر لیا تھا، ان قرائے کرام کے نام درج ذیل ہیں:

مدینہ نبویہ سے: ابوجعفر یزید بن قحطاع، شبیبہ بن نصاح، نافع بن ابی نعیم، مکہ مکرمہ سے: عبد اللہ بن کثیر، حمید بن قیس اعرج، محمد بن یحییٰ، بصرہ سے: عبد اللہ بن ابی اسحاق، عیسیٰ بن عمرو، ابوعمر و بن العلاء، عاصم بخدری، یعقوب حضرمی، کوفہ سے: یحییٰ بن وثاب، عاصم بن ابن نجود، سلیمان اعمش، ابوعمار حمزہ بن حبیب، علی بن حمزہ کسائی، جبکہ شام سے: عبد اللہ بن عامر، عطیہ بن قیس کلابی، اسلمیل بن عبد اللہ بن مہاجر، یحییٰ بن حارث ذماری اور شریح بن یزید حضرمی وغیرہم رضی اللہ عنہم

قراءات، روایات اور طرق میں فرق

قرآن کریم کی کل قراءات متواترہ دس معروف قرائے کرام سے منقول ہیں، ان میں سے ہر قاری کے دو دو راوی اور ہر راوی کے کئی شاگرد ہیں جن کو طریق کہا جاتا ہے۔ کل رواۃ میں جبکہ کل طرق اسی ہیں۔ اور یہ تمام طرق صحیح ہیں جن پر علمائے قراءات کا اتفاق ہے۔^۱

یہ وہ روایات اور طرق ہیں جو ابوعمر ودانی رحمہ اللہ کی التیسیر اور امام شاطبی رحمہ اللہ نے حرز الامانی میں ذکر کیے ہیں، لیکن قراءات سب سے عشرہ کی صرف وہ وجوہ ہی صحیح نہیں جو التیسیر اور شاطبیہ وغیرہ میں منقول ہیں، بلکہ یہ تو مختصر کتابیں ہیں جن میں ان قرائے کرام کے صرف دو دو راوی بیان کئے گئے ہیں حالانکہ ان اماموں نے تقریباً ۷۵ سال سے ۹۹ سال تک عمریں پائی ہیں اور ہر ایک نے قرآن کریم کی خدمت میں ساٹھ برس سے زیادہ صرف کئے ہیں۔ تذکروں اور طبقات سے معلوم ہوتا ہے کہ روزانہ بیٹھا طلبہ ان کے دروس میں شریک ہوتے تھے۔ امام نافع رحمہ اللہ فجر سے پہلے پڑھانا شروع کر کے عشا تک برابر پڑھاتے رہتے تھے، ہر شخص کیلئے تیس آیتوں کا وقت مقرر تھا، بڑی کوشش پر ورش رحمہ اللہ کو تہجد کے بعد زیادہ وقت ملا تھا۔ امام ابوعمر رحمہ اللہ کے گرد طلبہ کا زیادہ مجمع دیکھ کر سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ نے تعجب سے کہا تھا کہ کیا علما ارباب بن گئے؟ امام عاصم رحمہ اللہ سے پڑھنے کا موقع مشکل سے ملتا تھا۔ امام علی کسائی رحمہ اللہ سے دور اور قراءت کے طور پر پڑھنا ناممکن ہو گیا تھا بلکہ طلبہ کی کثرت کی بنا پر دور بیٹھنے والوں کو مشکل دیکھنی بھی دشوار تھی، اس لئے امام صاحب منبر پر بیٹھ کر خود پڑھتے تھے اور شاغفین آپ سے قراءت حاصل کرتے

جاتے تھے۔ ۱۰

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان قراء کرام کے لازماً اور شاگرد بھی تھے جن کی روایات بھی متواتر و صحیح تھیں۔
التیسیر اور شاطبیہ وغیرہ میں اختصاراً صرف دو دو راوی مذکور ہیں۔

قاری فتح محمد رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

”پانچویں صدی کے شروع تک قراء است سب سے اکثر مشہور طرق و روایات کے ساتھ پڑھی اور پڑھائی جاتی تھیں، چنانچہ علامہ دانی رحمہ اللہ نے جامع البیان میں پانچ سو روایات اور طرق بیان کئے ہیں۔ پھر ہمیں گھٹ گئیں اور طلبہ مزید اختصار کی درخواست کرنے لگے تو علامہ دانی رحمہ اللہ نے تیسیر کو نظم کر کے اس کی روایات اور طرق کو چار چاند لگا دیئے اور یہ تمام عالم میں مشہور ہو گئیں۔ جن قراء توں کا رواج کم ہوتا گیا وہ ختم ہوتی گئیں۔ اسی طرح سب سے بعد کی تین قراء تیں بھی غائب ہو جاتیں لیکن حق سبحانہ و تعالیٰ نے ائمہ کرام ابن مہران، ابن غلبون، ابن شیطا ابوزی، ابو العلا اور محقق ابن جزری رحمہم اللہ کو توفیق عطا فرمائی اور وہ ان کے پڑھنے و پڑھانے اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے اور اہل مصر بھی خدمت کرتے رہے، اس لئے یہ بھی محفوظ ہو گئیں۔ قراء سب سے بعد کی باقی روایات التیسیر کے بعد ختم ہو گئیں۔ سب سے بعد کی یہ روایات اور ان سے پہلے اماموں کی قراء اس لئے غائب نہیں ہوئیں کہ وہ شاذ تھیں بلکہ اصل سبب یہ ہے کہ علامہ فوت ہو گئے اور علم ان کے ساتھ چلا گیا۔ آئندہ کوئی جانشین نہیں بنا، اب اُمت کے پاس صرف دس متواتر قراء تیں اور ان کی دو دو روایتیں باقی ہیں۔ ان کے علاوہ چار قراء تیں اور ہیں جو صرف کتابوں میں درج ہیں، پڑھی پڑھائی نہیں جاتیں، دس قراء تیں پڑھی جاتی ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ کوئی قراء ت اول سے آخر تک شاذ نہیں ہوتی بلکہ ہر ایک قراء ت کی وہی وجہ شاذ ہوتی ہیں جو ضابطہ قراء ت کے خلاف ہوں۔ ۱۱

امام ابو حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان اماموں کے زمانے میں قراء ت کے نقل کرنے والے اور اختیار کرنے والے بے شمار تھے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی تھی کہ علم کم ہو جائے، پڑھانے والوں نے جب لوگوں میں سستی اور ان کی ہمتوں میں تصور اور فتور دیکھا تو پہلے سب سے پر پھران میں سے بھی قلیل حصے پر اکتفا کر لیا۔ ۱۲
تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان قراء کے دو دو راویوں کے علاوہ اور بھی رواۃ ہیں اور ان کی روایات بھی متواتر و صحیح ہو سکتی ہیں۔ واللہ اعلم

اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں کہ قراء ت، روایت اور طرق کا فرق کیا ہے تو اختلاف کی نسبت اگر امام کی طرف ہو تو اسے قراء ت، اگر راوی کی طرف ہو تو اُسے روایت اور اگر راوی کے شاگرد کی طرف نسبت ہو تو وہ طریق ہے۔ راوی کے شاگرد کو طریق کہتے ہیں خواہ یہ خود راوی کا شاگرد ہو یا اس کے شاگرد کا شاگرد ہو، غرض اس کے سلسلہ تلامذہ میں داخل ہو۔ ۱۳

مثلاً دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ پڑھنا امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی قراء ت اور امام قائلون کی روایت جبکہ ابو عدی کا طریق ہے ابن سیف سے، جس کو انہوں نے ازرق سے اور ازرق نے امام ویش رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔ ۱۴

قراءات کی تعداد

جب ہم علم قراءات کی کتب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اکثر ملتا ہے کہ قراء سب سے سب سے، قراء عشر، قراء اربعہ عشر۔

سوال پیدا ہوتا کہ کیا قراءات متواترہ کی تعداد ان قرائان میں سے بعض قرائان میں منحصر ہے یا پھر ان قرائان کرام کے علاوہ کی قراءات بھی متواتر ہو سکتی ہیں؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ علماء کا قراءات سبعہ اور عشرہ کی صحت پر اجماع ہے۔ ۱۷

اور ان کے علاوہ کی قراءات کے بارے میں امام ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اگر کوئی شخص آج قراءات عشر کے علاوہ ایک نئی قراءت دریافت کرے اور کہے کہ یہ متواتر ہے تو یہ ناممکن ہے لیکن صدرِ اَوَّل میں ممکن ہے کہ کوئی ایسی متواتر قراءت بھی ہو جو قرائان عشر کی قراءات کی علاوہ ہو۔“ ۱۸

صاحب منابِل العرفان شیخ زرقانی رحمہ اللہ اس مسئلہ کو کچھ تفصیل سے دُکس کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”چار قراءتوں (یعنی وہ قراءات جو قراءات عشرہ کے علاوہ ہیں یعنی امام حسن بصری، ابن خنبل، یحییٰ یزیدی اور الاعمش رحمہم اللہ کی قراءات) میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان میں سے بعض متواتر ہیں، بعض کہتے ہیں کہ وہ صحیح ہیں اور بعض کے نزدیک وہ شاذ ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ شخصیات اور عدد کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ قراءات صحیحہ کا ایک ضابطہ ہے۔ پس جس قراءت میں بھی تین رکن پورے ہو جائیں وہ قراءت مقبولہ ہے اور اگر تین رکن پورے نہیں ہوتے تو وہ مردود ہے، اس معاملہ میں قراءات سبعہ، عشرہ، اربعہ عشر اور ان کے علاوہ قراءات میں کوئی فرق نہیں۔ پس ہر قراءت کیلئے ایک ہی میزان ہے جس کی اتباع کی جانی چاہئے۔“ ۱۹

شیخ زرقانی رحمہ اللہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ شخصیات اور عدد کا مسئلہ نہیں یعنی یہ نہیں کہ قراءات سبعہ صحیح ہیں یا قراءات عشرہ صحیح ہیں یا ائمہ نافع، ابن کثیر، ابن عامر اور عاصم وغیرہ کی قراءت صحیح ہے بلکہ اصل مسئلہ ضابطے کا ہے جو علماء نے مقرر کیا ہے یعنی اگر کسی قراءت میں تینوں ارکان پائے جائیں گے تو وہ قراءت صحیحہ و مقبولہ ہوگی ورنہ نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ قراءات کی تعداد محدود نہیں بلکہ جو قراءات بھی معروف تین ارکان، جن کی تفصیل آگے آرہی ہے، پر پورا اترے وہ صحیح قراءات ہے اور اس کی بطور قرآن کریم تلاوت جائز ہے۔ واللہ اعلم

قراءات کی اقسام

عرف عام میں عموماً قراءات کی دو مشہور قسمیں ذکر کی جاتی ہیں: ① قراءات متواترہ ② قراءات شاذہ

قراءات متواترہ سے مراد وہ صحیح اور مقبول قراءات مراد لی جاتی ہیں جو نبی کریم ﷺ سے بطریق تواتر مروی ہوں اور عربی قواعد و رسم عثمانی کے موافق ہوں۔ صرف انہی کی تلاوت جائز ہے۔

قراءات شاذہ سے مراد ضعیف سند والی قراءات ہیں یا پھر وہ قراءات جو عربی قواعد اور رسم عثمانی کے موافق نہ ہوں۔

علمائے قراءات نے قراءات کی اقسام کو تفصیل سے ذکر کیا ہے، امام ابو محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قراءات کی کل تین اقسام ہیں:

- وہ قراءات جس میں تینوں ارکان پائے جائیں یعنی وہ ثقات سے مروی ہو، عربی قواعد اور رسم عثمانی کے موافق ہو۔
- جو خبر واحد سے مروی ہو، عربی قواعد کے موافق ہو اور رسم عثمانی کے مخالف ہو۔ اس کو بطور قرآن نہیں پڑھا جاسکتا۔
- جو کسی غیر ثقہ راوی سے مروی ہو یا پھر ثقہ سے مروی ہو لیکن عربی قواعد کے خلاف ہو تو اس کو بھی قبول نہیں کیا جائے گا اگرچہ وہ رسم عثمانی کے موافق بھی ہو۔ ۲۰

امام ابن جزری رحمہ اللہ نے قراءات کی پانچ اور امام سیوطی رحمہ اللہ نے چھ اقسام بیان کی ہیں جو درج ذیل ہیں:

❶ **متواتر:** وہ قراءات ہیں جن میں درج ذیل تین شرطیں پائی جائیں:

اس کو ایسی جماعت نے روایت کیا ہو جن کا جھوٹ پر جمع ہونا ممکن نہ ہو۔ اور یہ تواتر ہر طبقے میں پایا جاتا ہو حتیٰ کہ سند رسول اکرم ﷺ تک پہنچ جائے۔

❷ وہ قراءات عربی قواعد کے ساتھ موافق ہو اگرچہ کسی ایک وجہ کے ساتھ ہی ہو۔ جیسے امام حمزہ کی قراءات ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ﴾ [النساء: ۱] میم کے جر کے ساتھ ہے جو متفق علیہ عربی قاعدے مطابق نہیں بلکہ ایک مختلف فیہ قاعدے کے مطابق ہے۔

❸ مصاحف عثمانیہ میں سے کسی مصحف کی رسم کے موافق ہو اگرچہ تقدیراً ہی کیوں نہ ہو۔ اکثر قراءات متواترہ تمام مصاحف کی رسم کے مطابق ہیں لیکن بعض ایسی بھی ہیں تو تمام مصاحف کی رسم کے مطابق نہیں بلکہ کسی ایک مصحف کی رسم کے مطابق ہیں۔ مثلاً ابن کثیر کی قراءات ﴿جَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ [التوبة: ۱۰۰] مین کی زیادتی کے ساتھ، مصحف کبی کے علاوہ کسی اور مصحف میں مین کی زیادتی نہیں۔ اور تقدیراً مصحف کے موافق ہونے کی مثال امام عاصم وغیرہ کی قراءات ﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ [الفاتحة: ۳] الف کے ساتھ، حالانکہ تمام مصاحف میں مَلِكِ بغیر الف کے لکھا ہوا ہے۔^{۱۹}

❹ **مشہور:** وہ قراءات جو اگرچہ تواتر کے درجہ کو نہ پہنچیں لیکن ان کی اسناد صحیح اور قرائے کرام کے ہاں مشہور و معروف ہوں، نیز وہ عربی قواعد اور رسم عثمانی کے موافق بھی ہوں۔ ایسی قراءتیں، متواتر قراءات کے ساتھ ملحق ہیں اور ان کو علما نے نہ غلط قراءات میں شمار کیا ہے اور نہ ہی شاذ ہیں۔ ان قراءات کو بھی، بقول امام ابن جزری اور ابو شامہ رحمہ اللہ بطور قرآن پڑھا جا سکتا ہے۔ مثلاً امام ابن عامر کے راوی ابن ذکوان سے ﴿وَلَا تَتَّبِعَان﴾ نون کی تخفیف کے ساتھ مروی ہے، امام ابن عامر ہی کے راوی ہشام کی قراءات ﴿الْأَفْطِقَ﴾ اور امام ابن کثیر کے راوی قتیبہ کی قراءات ﴿عَلَى سَوْفِهِ﴾ ہے اور اسی طرح وہ تسہیلیں اور امالے جو ایک یا دو کتابوں کے علاوہ کسی اور کتاب میں موجود نہیں۔ مدت میں قرا کے مراتب بھی اسی قبیل سے ہیں۔

محقق ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اور اس جیسی دیگر چیزیں اگرچہ متواتر نہیں لیکن یہ صحیح اور قطعی ہیں اور متواتر کے ساتھ ملحق ہیں اور ہمارا اعتقاد ہے کہ یہ قرآن سے ہیں اور ان سات حروف سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے کیونکہ اگر کوئی عادل اور ضابط جب کسی ایسی قراءات میں منفرد ہو جو عربی قواعد اور رسم عثمانی کے موافق ہو اور وہ مشہور ہو اور اسے تلقی بالقبول بھی حاصل ہو تو وہ قطعی ہو جاتی ہے اور اس سے علم یقین حاصل ہوتا ہے..... اسی کو محدثین کرام حدیث میں تلقی بالقبول کا نام دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے علم یقین حاصل ہوتا ہے۔ امام ابن صلاح رحمہ اللہ نے مقدمہ میں اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے اور ان کا خیال ہے کہ یہ بات (یعنی وہ روایات جو احاد ہوں لیکن صحیح ہوں اور مشہور ہو جائیں تو وہ تواتر کے قائم مقام ہوتی ہیں اور ان سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے) ان سے پہلے کسی نے نہیں کہی، حالانکہ ابوالفتح شیرازی نے اس بات کو اللع في أصول الفقه میں ذکر کیا ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس بات کوائمہ کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے جن میں قاضی عبدالوہاب مالکی، شافعیہ میں

سے شیخ ابو حامد اسفرائینی، قاضی ابو طیب طبری، ابوالفتح شیرازی اور حنابلہ میں سے ابن حامد، ابویعلیٰ بن فراء، ابو خطاب، ابن زاغونی اور احناف میں سے شمس الامنہ سرخسی رحمہ اللہ شامل ہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی مذہب اشاعرہ میں سے اہل کلام مثلاً ابوالفتح اسفرائینی اور ابن فورک وغیرہ کا ہے، اور اہل الحدیث اور عام سلف کا یہی مذہب ہے۔ ۱۱

۱۲ **آحاد:** وہ قراءات جن کی سند صحیح ہو لیکن وہ رسم عثمانی یا عربی قواعد کے خلاف ہوں، یا وہ قراءات جن کی سند متواتر یا مشہور نہ ہو۔ انہیں قراءات شاذہ کہا جاتا ہے، بطور قرآن ان کی تلاوت جائز نہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں باب قائم کر کے اس قسم کی بہت سی صحیح الاسناد آحاد قراءات روایت کی ہیں۔ مثلاً مستدرک حاکم میں سیدنا ابوبکرہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے پڑھا: (مُتَكَيِّنٌ عَلَى رِفَافٍ خُضِرَ وَعَبَّاقَرِي حَسَنان)، سیدنا ابن عباس رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے پڑھا: (لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ) فاء کے زبر کے ساتھ۔ اسی طرح صحیحین وغیرہ میں سیدنا عمر فاروق، ابن مسعود اور ابوالدرداء رحمہ اللہ سے بعض قراءاتیں کچھ زیادتی اور کچھ کمی اور بعض کلمات کی تقدیم و تاخیر کے ساتھ منقول ہیں۔ سیدنا ابن مسعود اور ابوالدرداء رحمہ اللہ سے ﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى﴾ [اللیل: ۳۰] کی بجائے (وَالذَّكَرَ وَالْأُنثَى) مروی ہے۔ سیدنا عمر رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے پڑھا (غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَغَيْرِ الضَّالِّينَ) ۱۳

۱۴ **شاذ:** وہ قراءات جن کی سند صحیح نہ ہو..... جیسے کہ (مَلَكٌ يَوْمَ الدِّينِ) صیغہ ماضی اور یوم کے نصب کے ساتھ، (إِيَّاكَ يَعْبُدُ)، ابن السمیعی کی قراءت (فَالْيَوْمَ نُنْجِيكَ بَدَنِكَ) جیم کی بجائے حاء کے ساتھ اور (لَتَكُونَ لِمَنْ خَلَقَكَ آيَةً) [یونس: ۹۲] لام کے فتح کے ساتھ۔

۱۵ **موضوع:** وہ قراءات جو اپنے قائل کی طرف بغیر کسی اصل اور سند کے منسوب ہوں۔ جیسے محمد بن جعفر خزاعی کی قراءات ہیں جن کو اس نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

۱۶ **مدرج:** وہ قراءات جن میں راوی کی طرف سے تفسیراً کچھ اضافہ کر دیا گیا ہو۔ جیسے سیدنا سعد بن ابی وقاص رحمہ اللہ کی قراءت (وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ مِّنْ أُمِّ) [النساء: ۱۲] ہے، صحیح بخاری میں موجود ہے۔ سیدنا ابن زبیر رحمہ اللہ کی قراءت (وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ) وَبَسْتَعِينُونَ بِاللَّهِ عَلَى مَا أَصَابَهُمْ [آل عمران: ۱۰۴] ہے، عمرو کہتے ہیں مجھے علم نہیں کہ یہ ان کی قراءت تھی یا انہوں نے تفسیر بیان کی تھی، اسے امام سعید بن منصور اور انباری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور امام انباری رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ یہ تفسیر تھی۔ ان کو مدرج اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ مدرج احادیث سے ملتی جلتی قراءات ہیں۔

قراءات کی یہ انواع امام سیوطی رحمہ اللہ نے امام ابن جزری رحمہ اللہ سے نقل کی ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ امام ابن جزری رحمہ اللہ نے پانچ انواع بیان فرمائی ہیں، چھٹی نوع قراءات کے تتبع کے بعد میرا اپنا اضافہ ہے۔ ۱۷

قراءات کی ان چھ اقسام میں سے پہلی دو قسمیں صحیح اور متواتر قراءات کے ساتھ ملحق ہیں اور ان کو بطور قرآن پڑھا جاسکتا ہے۔^{۳۱} جہاں تک آخری چار اقسام ہیں تو ان سب کو اصطلاحاً قراءات شاذہ کہتے ہیں، ان کو بطور قرآن نہیں پڑھا جاسکتا اور نہ ہی نماز میں ان کی قراءات جائز ہے۔ البتہ تیسری قسم یعنی آحاد قراءات جو اگرچہ قراءات شاذہ میں شامل ہے لیکن بعض علما اسے نماز میں پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

شاذ قراءات سے مراد

شاذ، شَذَّ الرَّجُلُ شَذْوًا سے ہے، جس کا معنی ہے کسی قوم اور جماعت سے الگ ہونا۔^{۳۲} ابن منظور رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس لفظ میں بھی (ش ذ ذ) کے حروف ہوں تو انہیں انفرادیت کا معنی پایا جاتا ہے اور شَذَّ الرَّجُلُ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص اپنے ساتھیوں سے منفرد ہو جائے اور ہر منفرد کو شاذ کہتے ہیں۔^{۳۳} قراءات شاذہ کے بارے میں ہمیں مختلف اصطلاحی تعریفیں ملتی ہیں۔ بعض علما فرماتے ہیں کہ 'شاذ' سے مراد وہ قراءات ہے جو عربی قواعد کے موافق ہو اور اس کی سند صحیح ہو، لیکن وہ رسم عثمانی کے مخالف ہو۔^{۳۴}

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر وہ قراءات شاذ ہے جو قراءات عشر کے علاوہ ہو۔^{۳۵}

اس تعریف پر علماء نے اعتراض کیا ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اس بارے میں اختلاف ہے کہ وہ قراءات جو خبر واحد سے منقول ہو، کیا وہ قرآن ہے یا نہیں؟ تو کہا جاتا ہے کہ جو متواتر نہیں وہ قرآن بھی نہیں۔ علمائے اصول بھی کہتے ہیں کہ قراءات سبعہ و عشرہ ساری کی ساری متواتر ہیں، جبکہ معاملہ ایسا نہیں بلکہ قراءات سبعہ و عشرہ میں سے ہر قراءات بطور خبر واحد ہی نقل ہوئی ہے (خبر واحد نقل ہونے سے نواب صاحب کی مراد وہ قراءات ہیں جو آحاد کی طرف منسوب ہو گئی ہیں جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ امام ابن کثیرؒ کی قراءات، امام ابو عمرو بصریؒ کی قراءات وغیرہ وغیرہ) اور قرآن کی ایک جماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ان میں سے بعض متواتر ہیں اور بعض آحاد۔ بلکہ قرآن کرام میں سے کوئی بھی تمام کی تمام قراءات سبع کو متواتر نہیں کہتا، کجا یہ کہ قراءات عشرہ کے بارے میں کہا جائے کہ یہ ساری کی ساری متواتر ہیں..... المختصر ہر وہ قراءات جو مصاحف میں موجود ہو اور مشہور قرآن سے اس پر اتفاق کیا ہو تو وہ قرآن ہے اور جس میں ان کا اختلاف ہے تو اگر وہ قراءات رسم عثمانی اور معنی عربی کے موافق ہیں تو قرآن ہیں اور اگر بعض رسم عثمانی کے موافق نہیں تو اگر تو انکی سند صحیح ہے اور وہ معنی عربی کے بھی موافق ہیں تو وہ قراءات شاذہ ہیں۔“^{۳۶}

نواب صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ ہر وہ قراءات جو قراءات عشر کے علاوہ ہو، شاذ ہوتی ہے بلکہ قراءات عشر کے علاوہ بھی کچھ قراءات ایسی ہو سکتی ہیں جو متواتر ہوں۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر وہ قراءات جو قراءات عشر میں شامل ہے وہ متواتر ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم^{۳۷}

امام سیوطی رحمہ اللہ قراءات شاذہ کی تعریف کچھ یوں کرتے ہیں:

”قراءات شاذہ وہ قراءات ہے جس کی سند صحیح نہ ہو۔“^{۳۸}

ابھی تک قراءات شاذہ کی تین تعریفیں سامنے آئی ہیں کہ 'قراءات شاذہ' وہ ہے جس میں معروف تین ارکان میں سے کوئی رکن رہ جائے یا پھر جو قراءات عشر کے علاوہ ہو یا پھر جس کی سند صحیح نہ ہو۔

جہاں تک دوسری تعریف (یعنی وہ قراءات جو قراءات عشر کے علاوہ ہو) کا تعلق ہے تو اس کا ردّ نواب صاحبؒ نے کر دیا ہے۔ جبکہ تیسری تعریف (وہ قراءات جس کی سند صحیح نہ ہو) بھی صحیح نہیں، اس کا ردّ امام سیوطیؒ نے خود ہی دوسرے مقام پر کر دیا ہے، فرماتے ہیں:

”شاذ قراءت وہ ہے جو عربی وجہ میں سے کسی وجہ سے مخالف ہو یا رسم عثمانی کی مخالف ہو یا اس کی سند صحیح نہ ہو۔“^{۳۱}
لہذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جن علما نے قراءات شاذہ ان قراءات کو کہا ہے جو قراءت عشر کی قراءات کے علاوہ ہیں یا وہ ہیں جن کی سند صحیح نہیں، تو ان کا قول غیر مسلم ہے۔ اور قراءات شاذہ کی صحیح تعریف یہ ہوگی: ہر وہ قراءت جس میں قراءت صحیح کے تینوں معروف ارکان میں سے کوئی رکن رہ جائے تو وہ قراءت شاذہ ہے۔ اس کی تائید ائمہ کے درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے:

امام ابوشامہؒ فرماتے ہیں:

”اگر کسی قراءت میں تین ارکان میں کوئی رکن رہ گیا تو وہ قراءت شاذہ ہوگی۔ یہی قول ابو محمد بن ابی طالب اور امام سخاویؒ کا ہے۔“^{۳۲}

ابوشامہؒ فرماتے ہیں:

”قراءت شاذہ وہ ہے جو بطور قرآن مروی ہو لیکن نہ وہ متواتر ہو اور نہ ہی مشہور ہو جسے پوری اُمت قبول کرے۔“^{۳۳}
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قراءت صحیحہ مقبولہ صرف وہی ہیں جو قراءات عشرہ میں ہیں یا ان کے علاوہ بھی کوئی قراءت صحیحہ و مقبول ہو سکتی ہے؟

امام ابن جزریؒ فرماتے ہیں:

”ممکن ہے کہ صد و اوّل میں کوئی ایسی متواتر قراءت بھی ہو جو قراءت عشر کی قراءات کے علاوہ ہو۔“^{۳۴}

شیخ زرقانیؒ صاحب مناہل العرفان اس مسئلہ کو تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”حسن بصری، ابن جحین، یحییٰ یزیدی اور اعمش کی قراءتوں کے بارے میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ ان میں سے بعض متواتر ہیں، بعض کہتے ہیں کہ وہ صحیح ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ وہ شاذ ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ شخصیات اور عدد کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ قراءات صحیحہ کا ایک ضابطہ ہے، پس جس قراءت میں بھی تین رکن پورے ہو جائیں وہ قراءت مقبول ہے اور اگر تین رکن پورے نہیں ہوتے تو وہ مردود ہے، اس معاملہ میں قراءات سبعة، عشرہ، اربعہ عشر اور ان کے علاوہ قراءات میں کوئی فرق نہیں۔ پس ہر قراءت کیلئے ایک ہی میزان ہے جس کی اتباع کی جانی چاہئے۔“^{۳۵}

شیخ زرقانیؒ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مسئلہ شخصیات اور اعداد کا نہیں یعنی یہ نہیں کہ قراءات سبعة صحیح ہیں یا قراءات عشرہ صحیح ہیں یا امام نافع، ابن کثیر، ابن عامر اور امام عاصم وغیرہ کی قراءت صحیح ہے بلکہ اصل مسئلہ ضابطہ کا ہے جو علما نے مقرر کیا ہے یعنی اگر کسی قراءت میں تینوں ارکان پائے جائیں گے تو وہ قراءت صحیح و مقبول ہوگی، ورنہ نہیں۔

امام ابن جزریؒ نے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، کوفہ، بصرہ اور شام کے ۲۱ ائمہ کے حوالے سے کہا ہے:

”قراءت صحیحہ کا ضابطہ عام ہے جو کسی عدد یا شخصیت کے ساتھ خاص نہیں۔ پس ان قراءت میں کسی قاری کی طرف کوئی قراءت منسوب ہوگی تو ہم دیکھیں گے کہ اس میں قراءت صحیحہ کے تین ارکان پائے جاتے ہیں یا نہیں؟ اگر تینوں

ارکان پائے جائیں گے تو ہم کہیں گے یہ قراءت مقبول ہے اور اگر تینوں رکن یا کوئی ایک رکن نہ پایا گیا تو وہ قراءت غیر مقبول ہوگی چاہے خواہ سات قرائیں سے کسی کی قراءت ہو یا دس قرائیں سے یا پھر چودہ قرائیں سے کسی کی۔“ ۲۶

ابن جزریؒ امام ابن تیمیہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

”جو قراءتیں ائمہ اعمش، یعقوب، خلف، ابو جعفر اور شبیبہ بن نصاح وغیرہ سے ثابت ہیں وہ انہی قراءت کی منزلت میں ہیں جو قراءتیں سبعہ سے ثابت ہیں اور اس بات میں ان فقہاء اور قراء کا اختلاف نہیں ہے جن کی پیروی کی جاتی ہے،“ ۲۷

اگر ہم ان قراءت کے ناموں پر غور کریں جن کا امام ابن تیمیہؒ نے نام لیا ہے تو ان میں دو قاری ایسے ہیں جو قراءتیں سبعہ و عشر کے علاوہ ہیں اور وہ ہیں اعمش اور شبیبہ..... اور ابن تیمیہؒ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ فقہاء جن کی پیروی کی جاتی ہیں انہوں نے ان کی اور ان کے علاوہ بعض ان قراء کی قراءت کو بھی قبول کیا ہے جو قراءتیں سبعہ و عشر کے علاوہ ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس قسم کی قراءت شاذ کی قبیل سے نہیں بلکہ وہ واضح الفاظ میں فرماتے ہیں:

”اکثر وہ علماء جنہوں نے حمزہ (قراء سبعہ میں سے مشہور قاری) کا زمانہ پایا ہے جیسا کہ سفیان بن عیینہ اور احمد بن حنبل اور بشر بن حارث وغیرہ ہیں وہ جعفر بن قعقاع، شبیبہ بن نصاح اور بصریوں کی قراءت کو اختیار کرتے تھے۔“ ۲۸

تو سلف صالحین کا قراءت عشر کے علاوہ قراءت کو اختیار کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قراءت عشر یا ان کے علاوہ قراءت میں اگر تینوں معروف ارکان جمع ہو جائیں تو وہ قراءت صحیح اور مقبول ہوں گی، اس بناء پر نہیں کہ وہ قراءتیں سبعہ یا عشر کی قراءت ہیں بلکہ اس بنا پر کہ ان میں قراءت صحیح کی تمام شرائط پوری ہو گئی ہیں۔

قراءت شاذہ کی انواع

گذشتہ صفحات میں ہم نے قراءت کی کل چھ انواع ذکر کی ہیں اور واضح کیا ہے کہ پہلی دو قسمیں یعنی متواتر اور مشہور قراءت متواترہ ہیں یا ان کے ساتھ ملتی ہیں، جبکہ باقی چار قسمیں قراءت شاذہ کی ہی ہیں اور وہ یہ ہیں:

① آحاد قراءات ② شاذ قراءات ③ موضوع قراءات ④ مدرج قراءات

ان کی تعریفیں اور تفصیلات پچھلے صفحات ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

قراءت شاذہ کے ساتھ استدلال اور اس کا فقہ اسلامی پر اثر

یہاں قراءت شاذہ سے مراد ایسی قراءت ہے جو کہ صحیح الاسناد ہو لیکن یا رسم عثمانی کے مخالف ہو یا کسی عربی قاعدہ کے، اور یا پھر وہ نہ تو متواتر ہو اور نہ ہی مشہور قراءت۔

جب ہم کتب فقہ اور اصول فقہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے علما نے ”قراءت شاذہ“ کو بڑی اہمیت دی اور تقریباً تمام علماء ہی ”قراءت شاذہ“ سے استدلال کے جواز کی بحث ضرور کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسی بحث ہمیں قراءت متواترہ کے ساتھ احتجاج کے حوالے سے نہیں ملتی۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ قراءت متواترہ کی سند چونکہ متواتر ہوتی ہے اور ہر متواتر پر بلا خلاف عمل کرنا چاہئے لہذا ”قراءت متواترہ“ کے ساتھ استدلال کے بارے میں کسی عالم کا کوئی خلاف نہیں۔ اور جیسا کہ ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں کہ ”قراءت شاذہ“ کی سند تو اتنے سے ثابت نہیں ہوتی لہذا اس کے ساتھ استدلال کے بارے میں علما کا اختلاف ہے اور ان کے اس بارے میں دو مذاہب ہیں:

- ① وہ جنت ہے اور اس کے مقتضی پر عمل کیا جاسکتا ہے..... یہ آحاف کا مذہب، امام مالک کا ایک قول، جمہور شافعیہ ابو حامد غزالی، ابوالحسن ماوردی، ابن بوس، رافعی، ابن سبکی اور اسنوی رحمہم اللہ وغیرہ اور حنابلہ کا رائج مسلک ہے۔^{۳۹}
- ② وہ جنت نہیں اور اس کے ساتھ عمل جائز نہیں اور یہ امام مالک کا مذہب، امام شافعی اور ان کے اصحاب کا ایک قول اور امام احمد بن حنبل کی ایک روایت ہے اور ابن حزم کا بھی یہی قول ہے۔^{۴۰}
- رائج قول واللہ اعلم یہی ہے کہ قراءت شاذہ سے احکام فقہیہ کیلئے استدلال کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ جب تابعین سے مروی چیز سے قرآن کی تفسیر ہو سکتی ہے تو کبار صحابہ سے مروی چیز سے قرآن کی تفسیر اور احکام فقہیہ پر استدلال کیوں نہیں ہو سکتا۔

پہلی مثال

- ① ﴿أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ [البقرة: ۱۸۳]
- یہاں ابی بن کعب انصاری رحمہ اللہ نے (فعدة من أيام آخر متتابعات) پڑھا ہے۔^{۴۱}
- تو علما کا اختلاف ہے کہ اگر روزوں کی قضا دینی ہو تو کیا متابع یعنی پے درپے روزے رکھنا ضروری ہے یا نہیں:
- متابع ضروری ہے..... یہ علی، ابن عمر، عیسیٰ، شعبی سے مروی ہے اور داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ متابع ضروری تو ہے لیکن شرط نہیں۔^{۴۲}
- تفریق جائز ہے لیکن متابع مستحب ہے..... یہ قول جمہور کا ہے۔^{۴۳}
- اور ان کی دلیل دوسری دلیلوں کے علاوہ یہ ہے کہ اگر متابع ضروری ہوتا تو متواترہ قراءت میں متتابعات کا ذکر ہوتا جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتِمَّ سَآءٌ﴾ اور اس فرمان ﴿فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ﴾ میں مذکور ہے۔

دوسری مثال

- ② ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ﴾ [المائدة: ۳۸]
- اس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ چوری کی حد یہ ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔
- اس آیت میں ابن مسعود رحمہ اللہ کی شاذ قراءت ہے (والسارقون والسارق فاقطعوا أيما نهم)
- اسی طرح ایک اور روایت بھی ہے: (والسارق والسارقة فاقطعوا أيما نهما)^{۴۴}
- تو اس بارے میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر پہلی دفعہ چور نے چوری کی ہے تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے۔ ان کی دلیل سیدنا ابن مسعود رحمہ اللہ کی یہی شاذ قراءت ہے، یا تو اس بنا پر کہ یہ پہلے قرآن کریم میں تھا جس کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے یا اس لئے کہ یہ قراءت شاذہ ہے جس سے احکام شرعیہ پر استدلال کیا جاسکتا ہے یا پھر اس بنا پر کہ یہ تفسیری قراءت ہے۔^{۴۵}
- علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اجماع نقل کیا ہے کہ اگر قراءت شاذہ صحیح سند سے صحابہ کرام رحمہم اللہ سے مروی ہو تو اس سے احکام پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔^{۴۶}

درج بالا گذارشات سے ثابت ہوتا ہے کہ قراءت شاذہ سے استدلال ہو سکتا ہے اور احکام فقہیہ پر قراءت شاذہ

کا گہرا اثر ہے۔

قراءت شاذہ کی بطور قرآن تلاوت اور ان کو نماز میں پڑھنا

پیچھے ہم بیان کر آئے ہیں کہ وہ قراءت شاذہ جس کی سند تو صحیح ہو لیکن متواتر یا مشہور نہ ہو یا پھر وہ عربی قواعد یا رسم عثمانی کے خلاف ہو تو اس کو بطور تفسیر اور بیان تو قبول کیا جاسکتا ہے لیکن بطور قرآن اس کی تلاوت نہیں ہو سکتی کیونکہ یا تو وہ ایسی قراءت ہے جس کو نبی کریم ﷺ نے شروع میں تو قراءت کیا لیکن عرضہ اخیرہ میں اسے تلاوت نہیں کیا تو وہ منسوخ ہو چکی ہے اور یا پھر وہ ایسی قراءت ہے جو خبر واحد سے مروی ہے اور متواتر یا مشہور نہیں ہو سکتی۔

اس بارے میں امام ابن جزری رحمہ اللہ نے علما کا اختلاف ذکر کیا ہے کہ وہ قراءت شاذہ جو صحیح سند کے ساتھ ثابت ہوں لیکن عدم تواتر یا استغناء کی بنا پر وہ قراءت صحیحہ کی صف میں شامل نہ ہو سکیں انہیں نماز میں پڑھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بعض علما کا مسلک ہے کہ ان کو نماز میں پڑھا جاسکتا ہے کیونکہ صحابہ کرام اور تابعین عظام بھی ان کو نماز میں پڑھا کرتے تھے..... جبکہ اکثر علما کا مسلک یہ ہے کہ یہ نماز میں نہیں پڑھی جاسکتی کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ سے تواتر سے منقول نہیں اور اگر یہ نقلاً ثابت ہوں بھی تو یہ عرضہ اخیرہ اور مصاحف عثمانیہ پر صحابہ کے اجماع وغیرہ سے منسوخ ہو چکی ہیں، تو اب اگر کسی قراءت شاذہ کی تلاوت کرنا جائز نہیں تو اس کو نماز میں پڑھنا بالاولیٰ جائز نہ ہوگا۔

امام ابن جزری رحمہ اللہ نے علما کی ایک کثیر تعداد بیان کی ہے جو یہ کہتے تھے کہ قراءت شاذہ کے ساتھ نماز جائز نہیں۔ ان علما میں سے سراج الدین عمر بلقینی، جمال الدین عبد الرحیم استوی، ضیاء الدین قزوینی اور اسماعیل بن کثیر رحمہم ہیں۔

ابو عمرو بن حجاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قراءت شاذہ کو نماز اور غیر نماز میں نہیں پڑھا جاسکتا، چاہے پڑھنے والا عربی زبان کا جاننے والا ہی کیوں نہ ہو۔

امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ نماز میں وہ قراءت منع ہے جو مصحف کی رسم کے علاوہ ہو۔ امام ابو الحسن سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قراءت شاذہ کے ساتھ نماز نہیں ہو سکتی..... امام نووی اپنے فتاویٰ میں ذکر کرتے ہیں کہ قراءت شاذہ کے ساتھ نماز پڑھنا حرام ہے۔

شہاب الدین الرطبی شافعی فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء کا اتفاق ہے کہ قراءت شاذہ کے ساتھ نماز حرام ہے اور علامہ ابن عبد البر نے اس پر علماء اجماع نقل کیا ہے۔

لیکن نماز میں کسی قراءت کو نہ پڑھنے سے یہ مقصد نہیں کہ اس سے استدلال بھی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جیسا کہ ہم پہلے نقل کر آئے ہیں کہ قراءت شاذہ سے اکثر علماء استدلال کرتے ہیں اور ان کو بطور تفسیر اور بیان بھی قبول کرتے ہیں۔

قراءت شاذہ کے معروف قرا کا مختصر تعارف

قراءت شاذہ کے معروف چار قراء ہیں:

- ① حسن البصري ② ابن محيصة ③ يحيى اليزيدي ④ الأعمش

حسن بصریؒ

ان کا پورا نام امام ابو سعید حسن بن ابو حسن یسار بصری ہے۔ علم و عمل کے اعتبار سے اپنے زمانہ کے امام ہیں۔ سیدنا علیؓ، سمرہ بن جندبؓ اور اُم سلمہؓ سے ان کی ملاقات ثابت ہے۔
امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر میں یہ کہتا چاہوں کہ قرآن کریم حسن بصریؒ کی لغت میں نازل ہوا ہے تو میں ان کی فصاحت کی وجہ سے یہ کہہ سکتا ہوں۔

سیدنا عمرؓ کی خلافت میں پیدا ہوئے اور ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے۔ ان کے دوراوی یہ ہیں

① بلخی ② دوری

ابن خنیسؒ

ان کا پورا نام ابو عبد اللہ بن عبد الرحمن بن خنیس سہمی ہے، حدیث اور عربی زبان کے عالم تھے، امام ابن کثیرؒ کے علاوہ یہ بھی اہل مکہ کے مقرر تھے۔
درباس کئی جوہر الامہ ابن عباسؓ کے غلام تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے ابن خنیس سے بڑھ کر قرآن کریم اور عربی زبان کا عالم نہیں دیکھا۔ ۱۲۳ھ میں فوت ہوئے۔ ان کے دوراوی یہ ہیں:

① بزّی ② ابن شنبوذ

یحییٰ الیزیدیؒ

ان کا پورا نام ابو محمد یحییٰ بن مبارک بن مغیرہ الیزیدی العدوی ہے۔ لغت و ادب کے امام ہیں۔ معروف قاری ابو عمرو بصریؒ کے بہترین شاگردوں میں سے ہیں۔

۱۲۸ھ میں مروان بن محمد کے زمانے میں پیدا ہوئے اور ۲۰۲ھ میں وفات پائی۔ ان کے دوراوی یہ ہیں

① سلیمان بن حکم ② أحمد بن فرح

اعمشؒ

ان کا پورا نام ابو محمد سلیمان بن مہران اعمش اَسَدی، کابلی، کوئی ہے۔
قراءات اور حدیث کے امام تھے، قرآن کریم میں کبھی غلطی نہیں کی۔
وکیعؒ فرماتے ہیں کہ ستر سال تک اعمشؒ سے تکبیر تحریرہ فوت نہیں ہوئی۔ امام شعبہؒ بن جراح نے ان کے حفظ و انتقان کی وجہ سے ان کا نام ہی مصحف رکھ دیا تھا۔

امام ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جب سے اعمشؒ پیدا ہوئے تب سے اسلام عزت والا ہے۔ صحابہ کرامؓ میں سے عبد اللہ بن ابی اوفی اور انس بن مالکؓ سے لقا ثابت ہے۔

۶۰ھ میں عاشوراء کے دن پیدا ہوئے اور ۱۴۸ھ میں فوت ہوئے۔ ان کے دوراوی یہ ہیں

① مطوعی ② شنبوذی



حواشی

١٠٢

301

① القَامُوسُ الْمُحِيط: ص ٢٢

② التَّبَيَّن: ص ٢٣٣

③ مُنْجِدُ الْمُقْرِئِينَ: ص ٣، اِتِّحَافُ فَضْلَاءِ الْبَشَر: ص ٥، البدور الزاهرة: ص ٣

④ النشر: ١/ ٤، المدخل لدراسة القرآن الكريم: ص ٢٤، مناهل العرفان: ١/ ٢١٢

⑤ الْبُرْهَانُ فِي عُلُومِ الْقُرْآن: ١/ ٢٦٥، اِتِّحَافُ فَضْلَاءِ الْبَشَر: ص ٥

⑥ منجد المقرئين: ص ٣

⑦ الإِتِّقَان: ١/ ٤٣، أثر القراءات في الفقه الإسلامي: ص ٩٨-١٠٢

⑧ مناهل العرفان: ١/ ٢١٦

⑨ التَّشْرِ: ١/ ٥٣ وما بعدها

⑩ عَنَائِيَتُ رَحْمَانِي: ١/ ٣١

⑪ اَيْضًا: ١/ ٣٢

⑫ اَيْضًا: ١/ ٣١

⑬ الإِتِّقَان: ١/ ٤٣، البدور الزاهرة: ص ٨

⑭ عَنَائِيَتُ رَحْمَانِي: ١/ ١٠

⑮ النشر: ١/ ٣٦

⑯ منجد المقرئين: ص ١٦، ٤٨

⑰ مناهل العرفان: ١/ ٢١٦، ٢٦٦

⑱ النشر: ١/ ١٣، الإِتِّقَان: ١/ ٤٦

⑲ مُنْجِدُ الْمُقْرِئِينَ: ص ١٥

⑳ منجد المقرئين: ص ١٩، مناهل العرفان: ١/ ٢٢٣

㉑ النشر: ١/ ١٣، منجد المقرئين: ص ١٦، الإِتِّقَان: ١/ ٤٦، الإِبَانَةُ: ص ٤٩

㉒ الإِتِّقَان: ١/ ٤٦، مناهل العرفان: ١/ ٣٣٠

㉓ منجد المقرئين: ص ١٩، مناهل العرفان: ١/ ٢٢٣

㉔ مختار الصَّحاح: ١/ ١٢٠، (ماده: ش ذ ز)

㉕ لسان العرب: ٣/ ٢٩٣، (ماده: ش ذ ز)

㉖ منجد المقرئين: ص ١٦

㉗ غَايَةُ الْوُصُول: ص ٥، حُصُولُ الْمَامُول: ص ٣٥

㉘ حُصُولُ الْمَامُول: ص ٣٥

㉙ منجد المقرئين: ص ١٦، البرهان: ١/ ٢٦٦

جون ٢٠١٩ء

- ⑤ الإتيان: ٤٦ / ١
- ⑥ الإتيان: ٤٨ / ١
- ⑦ البحر المحيط: ٢ / ٢٢١
- ⑧ المرشد الوجيز: ص ١٨٢
- ⑨ منجد المقرئين: ص ١٦، ٤٨
- ⑩ مناهل العرفان: ١ / ٢٦٦
- ⑪ النشر: ٩ / ١
- ⑫ النشر: ٢٠ / ١
- ⑬ النشر: ٣٩ / ١
- ⑭ فواتح الرّحموت شرح مسلم الثبوت للأصاري: ٢ / ١٦، هداية العقول إلى غاية السؤل في علم الأصول: ١ / ٢٣٦، شرح الكوكب المنير للفتوح: ٢٠ / ١٢٠، روضة الناظر: ١ / ١٨١
- ⑮ مختصر ابن الحاجب مع شرحه العضد: ٢ / ٢١، وبيان المختصر: ١ / ٢٤٢، الأم: ٤ / ٦٦، وحاشية البناني للمحلي: ١ / ٢٣٢، أصول مذهب الإمام أحمد: ص ١٨٦، شرح الكوكب المنير: ١ / ١٢٠، الإحكام في أصول الأحكام: ٣ / ١٤٠، ١٤١
- ⑯ أثر القراءات في العلوم الشرعية: ص ٣٩٢
- ⑰ أيضًا
- ⑱ أيضًا: ص ٣٩٣
- ⑲ أيضًا: ص ٣٩٦
- ⑳ أثر القراءات في الفقه الإسلامي: ص ٣٩٦
- ㉑ الفتاوى الكبرى: ٣ / ١٦٩
- ㉒ المرشد الوجيز: ص ٨٢
- ㉓ منجد المقرئين: ص ١٨
- ㉔ النشر: ١ / ١٣، منجد المقرئين: ص ١٦، مناهل العرفان: ١ / ٢٦٤
- ㉕ أثر القراءات في الفقه الإسلامي: ص ٣٢٨
- ㉖ البحر المحيط: ٢ / ٢٢١
- ㉗ أثر القراءات في الفقه الإسلامي: ص ٣٢٩
- ㉘ فتاوى الرملي: ٢ / ٣٢٠
- ㉙ أثر القراءات في الفقه الإسلامي: ص ٣٥٢، اتحاف فضلاء البشر: ص ٩



قراءت شاذہ..... تعارف اور شرعی حیثیت

لغوی: لفظ قراءت لغوی اعتبار سے قرأ یقرأ مصدر سماعی ہے۔ ماہرین لغت کے نزدیک اس کا معنی جمع کرنا، منانا اور تلاوت کرنا وغیرہ موجود ہے۔ [لسان العرب: ۱۲۹/۱، المفردات فی غریب القرآن: ص ۴۰۲]

اصطلاحی: اعتبار سے اہل علم نے قراءت کی مختلف تعریفات ذکر کی ہیں:

اشیخ عبدالفتاح قاضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”علم قراءت ایسا علم ہے کہ جس میں قرآنی کلمات کو بولنے کی کیفیت اور انہیں ادا کرنے کا مختلف فیہ اور متفقہ طریقہ ہر ناقل کی قراءت کی نسبت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔“ [البدور الزاہرۃ: ۷]

قاری فتح محمد پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

”قراءت اس علم کو کہتے ہیں جس سے کلمات قرآنیہ میں قرآن مجید کے ناقلین کا وہ اتفاق اور اختلاف معلوم ہو، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن لینے کی بناء پر ہے، اپنی رائے کی بناء پر نہیں۔“ [عنایات رحمانی: ۱۳۱]

علم قراءت کا موضوع قرآن کریم کے کلمات ہیں، کیونکہ اس علم میں ان کلمات کے تلفظ کے حالات پر ہی بحث کی جاتی ہے۔ [عنایات رحمانی: ۱۳۱]

کسی بھی قراءت کو قرآنی حیثیت سے قبول کرنے کے لئے اہل علم نے تین شرائط مقرر کی ہیں:

① نحوی قواعد کے موافق ہو۔

② رسم عثمانی کے موافق ہو۔

③ اس کی سند صحیح و متصل ہو۔

یہ تیسری شرط ہی اصل ہے، باقی دو اس کی تائید کے لیے ہیں اگر یہ تینوں شرائط موجود ہیں تو قراءت کو قرآنی حیثیت سے قبول کرنا فرض ہے۔ [الیسر شرح شاطبیہ: ۱۳]

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اہل علم نے قراءت کی باعتبار سند چھ اقسام بیان کی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

متواتر: جسے ایک بڑی جماعت نقل کرے اور اس جماعت کا جھوٹ پر جمع ہونا ناممکن ہو۔

مشہور: وہ قراءت جس کی سند صحیح ثابت ہو اور وہ درجہ تواتر تک نہ پہنچنے کے باوجود عربی قواعد اور رسم عثمانی کے موافق ہو، نیز قراء میں مشہور بھی ہو۔

آحاد: ایسی قراءت جس کی سند صحیح ہو مگر وہ عربی قواعد یا رسم عثمانی کے خلاف ہو یا درج بالا دونوں قراءتوں کے برابر مشہور نہ ہو۔ اور نہ اس کی قراءت کی جاتی ہو۔

شاذ: جس کی سند صحیح نہ ہو۔

☆ مدیر ادارہ فقہ الحدیث فاؤنڈیشن، لاہور

موضوع: جو بغیر کسی اصل کے اپنے قائل کی طرف منسوب ہو۔

مدرج: ایسی قراءت جو دیگر قراءتوں میں بطور تفسیر زیادہ کی گئی ہو۔ [الاتقان للسیوطی: ۷/۷۷]

چونکہ یہاں ہمارے پیش نظر صرف قراءت شاذہ پر بحث کرنا ہے اس لئے آئندہ سطور میں اسی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے گی۔

قراءت شاذہ کا معنی و مفہوم اور وجہ تسمیہ

شاذ کا مادہ ش، ذ ہے، اس کا معنی علیحدہ ہونا اور اکیلا ہونا وغیرہ ہے۔ [لسان العرب: ۴/۳۹۴] لفظ 'شاذ' صیغہ صفت ہے، اس کی جمع شواذ آتی ہے۔ [مصباح اللغات، ص ۲۲۳]

اصطلاحی اعتبار سے علماء قراءت نے اس کی تعریف مختلف انداز میں بیان کی ہے۔

امام سیوطی رحمہ اللہ کے نزدیک شاذہ قراءت وہ ہے، جس کی سند صحیح نہیں۔ [الاتقان: ۷/۷۷]

حافظ ابن صلاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”قراءت شاذہ وہ ہے کہ جو قرآنی حیثیت سے منقول ہو مگر نہ وہ تواتر سے ثابت ہو اور نہ قراءت کے ائمہ کے نزدیک اسے قبول عام حاصل ہو۔“ [البرہان فی علوم القرآن: ۱/۴۸۷]

ڈاکٹر لیب السعید رحمہ اللہ قراءت شاذہ کی تعریف میں فرماتے ہیں:

”علماء قرآن کی اصطلاح میں شاذ قراءات وہ ہیں جو آحاد سند سے مروی ہیں اور رسم عثمانی کے خلاف ہیں، نیز کسی قراءت کا صحیح السند اور قواعد عربیہ کے موافق ہونا اس کے شاذ ہونے سے مانع ہے۔ [الجمع الصوتی الأولى للقرآن: ۲۲۱]

درج بالا تعریفات کو سامنے رکھتے ہوئے یوں کہا جاسکتا ہے کہ قراءت شاذہ سے مراد وہ قراءت ہے جو رسم عثمانی کے خلاف ہے اور بطریق آحاد مروی ہے قطع نظر اس سے کہ اس کی سند صحیح ہے یا ضعیف۔

علاوہ ازیں قراءات شاذہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ قراءت رسم عثمانی سے علیحدہ ہیں اس لیے ان کا نام شاذ یعنی علیحدہ ہونے والی رکھ دیا گیا۔ [منہل العرفان: ۶/۳۷]

علامہ ابن جزری رحمہ اللہ کے مطابق ان قراءات شاذہ کو اس لیے 'شاذہ' کہا جاتا ہے کہ یہ رسم کے اعتبار سے قراءات متواترہ سے جدا اور منفرد ہیں یا اس وجہ سے کہ یہ قراءات متواترہ کے ضوابط پر پوری نہیں اترتیں۔

[المنجد الموقرئین: ص ۶، ۷]

قراءات شاذہ کی اقسام

قراءات شاذہ کو درج ذیل اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے:

① وہ قراءات جس کی سند صحیح ہو اور کسی عربی قاعدہ کے مطابق ہو لیکن نہ تو بطریق تواتر ثابت ہو اور نہ ہی ایسے طریق سے جو قوت میں تواتر کے مساوی ہو۔

② وہ قراءات جس کی سند صحیح ہو اور لغت عرب کے بھی موافق ہو، لیکن مصاحف عثمانیہ کی رسم کے مطابق نہ ہو۔

③ وہ قراءات جس کی سند صحیح ہو رسم عثمانی کے موافق ہو، لیکن لغت عرب کے خلاف ہو۔

④ وہ قراءات جس کی سند تو صحیح ہے مگر وہ قرآن نہیں، بلکہ صحابہ کے بطور تفسیر اضافہ کردہ کلمات ہیں، جن کے لئے

مدرج کی بھی اصطلاح مستعمل ہے۔

- ⑤ وہ قراءات جس کی سند ہی صحیح نہ ہو خواہ وہ رسم عثمانی اور عربی قواعد کے موافق ہو یا مخالف۔
 ⑥ وہ قراءات جو رسم عثمانی اور لغت عرب کے موافق ہیں مگر ان کی کوئی سند ہے ہی نہیں۔ ایسی قراءات بھی شاذہ، بلکہ مکذوبہ کہلائیں گی اور انہیں کوئی مسلمان قرآن نہیں کہہ سکتا۔

[المحتسب: ۲۴۷/۱، القراءات السبع: ۲۷۸، النشر: ۱۶/۱، الاتفاق: ۷۷/۱، المنجد المقرئین: ۱۷۱]

قراءات شاذہ کی شرعی حیثیت..... کیا یہ قرآن ہیں؟

بلاشبہ قراءات شاذہ قرآن نہیں، کیونکہ ان میں وہ تمام شرائط مفقود ہیں جو ثبوت قرآن کے لئے ضروری ہیں، لہذا پوری اُمت متفق ہے کہ قراءات شاذہ قرآن نہیں۔ مزید تائید کی غرض سے چند اقوال پیش خدمت ہیں:

علامہ شوکانی رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق قراءات شاذہ قطعاً قرآن سے الگ ہیں۔

[کما فی أصول الفقه الإسلامی وأدلته: ۴۷۱/۱]

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اس بات پر اجماع ہے کہ قراءات شاذہ کی تلاوت اور انہیں مصحف میں لکھنا جائز نہیں۔“ [المحلی: ۳/۲۵۵]

علامہ عبدالحی النصارى رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: کہ ”قراءات شاذہ بالاتفاق قرآن نہیں۔“

[فوائد الرحمت: ۱۲۲]

علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ کا قول ہے:

”قراءات شاذہ نماز میں پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنے کی ممانعت پر تمام علمائے امت کا اجماع ہے۔“

[التبہید: ۲۹۳/۸]

قراءات شاذہ کی تلاوت کا حکم

چونکہ قراءات شاذہ قرآن نہیں، اس لیے بحیثیت قرآن ان کی تلاوت کرنا جائز نہیں، چنانچہ ذاکر محمد سالم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص علماء وفقہاء کے اقوال کی روشنی میں غور کرے گا وہ یقیناً یہی فیصلہ کرے گا کہ نماز یا اس کے علاوہ قراءات شاذہ کی تلاوت حرام ہے۔ [فی رحاب القرآن: ۳۳۸]

اگرچہ کچھ اہل علم کی طرف نماز میں قراءات شاذہ کی تلاوت کے جواز کا قول منسوب ہے، مگر راجح قول جمہور کا ہے جو اوپر ذکر کر دیا گیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ قراءات شاذہ نہ قرآن ہیں اور نہ ہی نماز میں ان کی تلاوت جائز ہے، خواہ نماز فرض ہو یا نفل۔ نیز قراءات شاذہ کی تلاوت پر اصرار کرنے والا سزا کا مستحق ہے۔ تاہم نماز کے علاوہ ان قراءات کو تعلیم و تعلم کی غرض سے بیان کرنا یا قرآن کی کسی آیت کے مفہوم کی وضاحت کے لئے پیش کرنا سب کے نزدیک جائز ہے۔

قراءات شاذہ سے احکام کا استنباط

قراءات شاذہ استنباط کے سلسلے میں حجت ہیں یا نہیں اس میں دو مسلک ہیں۔ ان دونوں کا ذکر بعد دلائل حسب

ذیل ہے:

پہلا مسلک

قراءات شاذہ مطلقاً حجت نہیں۔ یہ امام ابن حزم رحمہ اللہ اور چند دیگر علماء کی رائے ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قراءات شاذہ نہ قرآن ہیں اور نہ ہی انہیں خبر واحد کی حیثیت دی جاسکتی ہے، لہذا استنباط احکام میں یہ حجت نہیں۔ ان کے چند دلائل ملاحظہ فرمائیے۔

① قراءات شاذہ قرآن نہیں، اس لیے حجت نہیں۔

② عہد عثمانی میں جس قرآن پر اجماع ہوا تھا، قراءات شاذہ اس میں شامل نہیں تھیں، اس لیے قابل حجت نہیں۔

③ قراءات شاذہ بطور خبر واحد بھی حجت نہیں، کیونکہ وہ بطور خبر واحد منقول نہیں ہوتی بلکہ بطور قرآن منقول ہوئی ہے۔ جب اس کا قرآن ہونا ثابت نہیں تو اس کا خبر ہونا بدرجہ اولیٰ ثابت نہیں۔

④ صحابہ کرام نے قراءات شاذہ پر عمل نہیں کیا۔

[قواطع الأدلة فی الأصول: ۲۱۴/۱، البرہان فی أصول الفقه: ۶۶۷/۱، المحلی: ۷۵/۸، حاشیۃ العطار علی جمع الجوامع: ۳۰۱/۱]

دوسرا مسلک

قراءات شاذہ حجت ہیں۔ یہ جمہور کی رائے ہے۔ ان کے چند دلائل ملاحظہ فرمائیے:

① جو قراءات شاذہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح ثابت ہے یا وہ واقعاً پہلے قرآن تھیں، پھر عرض اخیرہ میں ان کی تلاوت منسوخ ہوگئی یا پھر قرآن تھی ہی نہیں، بلکہ قرآن کی تفسیر کے ضمن میں وہ شامل تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بطور حدیث بیان کیا تھا لیکن غلط فہمی سے بعض صحابہ نے اسے قرآن سمجھ لیا۔

اس طرح قراءات شاذہ جو ان دونوں صورتوں میں سے ایک نہ ایک ضرور ہے، لازماً حجت اور واجب العمل ہے کیونکہ اس کا بطور قرآن ثابت نہ ہونا اس بات کی منافی نہیں کہ وہ بطور خبر بھی درست نہ مانی جائے۔ گویا دوہی صورتیں ہیں یا تو یہ قرآن تھیں یا پھر پیغمبر ﷺ کی خبر۔ تو اس لحاظ سے یہ بحث قراءات شاذہ کی حجت یا عدم حجت کی نہیں، بلکہ یہ بحث یہ ہے کہ ان قراءات کو بحیثیت قرآن تسلیم کیا جائے یا بحیثیت حدیث۔ [مختصر الروضة: ۲۵/۲]

② حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سنا آپ ﴿فَاسْعُوا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ کے بجائے ﴿فَامْضُوا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ پڑھا کرتے تھے۔ [موطا: ۶۰/۱]

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”علماء نے قراءات شاذہ کو بطور تفسیر حجت قرار دیا ہے۔ یہ حدیث اس کا واضح ثبوت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح فامضوا إلى ذکر اللہ پڑھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے اگر اس میں فاسعو إلى ذکر اللہ کے علاوہ کوئی دوسری قراءات نہ ہوتی تو میں اس قدر دوڑ کر جاتا کہ میری چادر نیچے گر جاتی۔

[الاستذکار: ۷۳/۵]

اس مقام پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قراءات شاذہ سے ایک مسئلہ کا استنباط کرنا اس کی حجت کی دلیل ہے۔

رانج موقف

قرأت شاذہ کی حیثیت کے قائلین کا موقف رانج معلوم ہوتا ہے اور جہاں تک عدم حجت کے قائلین کا تعلق ہے تو ان کے دلائل قرآن کے ساتھ عقیدت کا مظہر تو ضرور ہیں، لیکن ان سے عدم حجت کا ثبوت فراہم نہیں ہوتا۔ ان کی پہلی اور دوسری دلیل کہ قراءات شاذہ قرآن نہیں، کیونکہ یہ مصحف عثمانی سے خارج ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم بھی ان قراءات کو قرآن نہیں سمجھتے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ حجت بھی نہیں۔ حجت کے قائلین کا یہ دعویٰ ہے کہ قراءات شاذہ بطور قرآن حجت نہیں، بلکہ ان کی حجت صرف اس حیثیت سے ہے کہ پہلے یہ قرآن تھیں پھر ان کی تلاوت منسوخ ہوگئی اور حکم باقی رہا اور وہ حکم چونکہ بطور آحاد ہم تک پہنچا ہے اس لیے اسے خبر واحد یا بالفاظ دیگر حدیث کی حیثیت سے قبول کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں یہ قراءات قرآن کے مجمل اور مشکل مقامات کی تفسیر تھیں جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی تھی اور صحابہ نے اسے سنا تھا اور اس کے حجت ہونے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔

معلوم ہوا کہ قراءات شاذہ کی حیثیت کی رائے ہی زیادہ غالب ہے، بشرطیکہ وہ صحیح ثابت ہو اور کوئی صحیح حدیث یا قوی تر دلیل اس کے معارض نہ ہو، نیز کسی صحیح روایت سے اس کے حکم کا نسخ بھی ثابت نہ ہو۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اکثر علماء کا یہی مذہب ذکر فرمایا ہے اور امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

خلاصہ کلام

علم قراءات اجتہادی نہیں، بلکہ سماع اور نقل سے ثابت ہے اور اس کا ماخذ وحی الہی ہے۔ قراءات عشرہ کے علاوہ باقی تمام قراءات شاذہ ہیں۔ وہ قراءات جن کی اسناد ضعیف یا موضوع ہیں یا ان کی کوئی سند ہی نہیں، انہیں کسی حیثیت سے بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ تمام علمائے امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ قراءات شاذہ پر قرآن کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ قراءات شاذہ چونکہ قرآن نہیں اس لیے نماز میں ان کی تلاوت بھی حرام ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک سند کے اعتبار سے صحیح قراءات شاذہ استنباط احکام میں حجت ہیں، بشرطیکہ وہ صحیح ثابت ہوں اور کوئی حدیث یا قوی تر دلیل ان کے معارض نہ ہو نیز اس کا نسخ بھی ثابت نہ ہو۔ وما توفیقی إلا باللہ علیہ توکلنت وإلیہ أنیب

